ماہنامہ

قومی زبان

نومبر ۱۹۷۴ء

تاریخ پیدائش ۔
۹ نومبر ۱۸۷۷ء

تاریخ وفات ۔
۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء

ماہنامہ

قومی زبان

کراچی

نومبر سنہ ۱۹۷۴ء

جلد ـــــــ ۴۴
شمارہ ـــــــ ۱۱

قیمت فی پرچہ ـــــــ ایک روپیہ پچیس پیسے
سالانہ قیمت ـــــــ بارہ روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی ـ ۱

فون: ۲۲۷۸۴۲

انجمن کی زیرِ طبع کتابیں

گلِ رعنا تصنیف مرزا غالب

مرتبہ: سید قدرت نقوی

غالب کی اہم تصنیف "گلِ رعنا" کے مخطوطے کا عکس مرتب کے مقدمے ساتھ رسالہ اردو میں بااقساط چھپ چکا ہے۔ اب اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ بہت جلد یہ کتاب منظرِ عام پر آجائے گی۔ کتاب میں اصل کے عکس کے علاوہ حسبِ ذیل عنوانات ہیں۔

مقدمہ: از مرتب نستعلیق متن اختلافِ نسخ پر سیر حاصل بحث

کہانی رانی کیتکی

مرتبہ: سید قدرت نقوی

اس کہانی کے اب تک دو ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اب یہ تیسرا ایڈیشن ہر لحاظ سے مکمل و مستند ہے۔ اس ایڈیشن کی تصحیح مولانا امتیاز علی عرشی نے ایک اور قدیم نسخے سے مقابلہ کر کے کی ہے۔ اس متن کی مزید تصحیح و تشریح سید قدرت نقوی نے حاشیے لکھ کر اس میں جامعیت پیدا کر دی ہے۔ اس کے علاوہ مرتب نے قدیم الفاظ کی فرہنگ بھی شامل کر دی ہے۔ اس سے قارئین اور خاص کر اردو کے طلبہ کے لیے خاصی سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ شروع میں بابائے اردو کا سابقہ مقدمہ اور مرتب کا دیباچہ بھی شامل ہے۔

تذکرہ عروس الاذکار

مرتبہ: افسر صدیقی امروہوی

نقش حیدرآبادی کے اس نایاب اور معاصر شعرا کے تذکرے کا ایک مخطوطہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو میں ہے جسے جناب افسر امروہوی نے کافی محنت اور دیدہ ریزی سے مرتب کیا ہے۔ تذکرے کے آخر میں طویل حواشی دیے گئے ہیں جن میں اس تذکرے میں شامل شعرا کے بارے میں مختلف خارجی ذرائع سے بھی معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔

تذکرۂ شامِ غریباں

تصنیف: لچھمی نرائن شفیقؔ

مرتبہ: پروفیسر محمد اکبر الدین صدیقی (استاد جامعہ عثمانیہ)

یہ شعرائے فارسی کا مبسوط و ضخیم تذکرہ ہے، جس میں مولف نے ایران کے ان شعرائے فارسی کا تذکرہ قلم بند کیا ہے جو برصغیر کے مختلف بلاد و امصار میں وارد ہوئے تھے۔ شروع میں مرتب کا فاضلانہ مقدمہ شامل ہے۔ اور تقریباً ہر شاعر کے بارے میں مرتب نے دوسرے تذکروں کے حوالوں سے اس تذکرے کو جامع بنا دیا ہے۔

ارتحالِ محبِ زباں ممتاز حسن

۱۳۹۴ھ

ممتاز حسن صاحب کو مرحوم لکھتے ہوئے اردو کے قلم کا جگر پارہ پارہ ہے کیونکہ اردو ان کا اوڑھنا بچھونا تھا وہ اس کے تحفظ و بقا اور ترویج و اشاعت کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ مرحوم کی دلی تمنا تھی کہ اردو زبان ہر لحاظ سے جامع ہو۔ اس میں وہ سب کچھ ہو جو دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں ہے اور علوم و فنون کے تمام خزانے اس میں محفوظ ہوں۔

انجمن ترقی اردو پاکستان کو ان کی ہمدردی اور سرپرستی کا اعزاز حاصل تھا۔ وہ انجمن کی مجلسِ نظماء کے رکنِ اعلیٰ تھے۔ ان کے قیمتی مشوروں کے لیے کسی وقت کا تعین نہ تھا۔ وہ بنفسِ نفیس تشریف لاتے اور اپنے علمی اور انتظامی تجربات سے استفادہ کا موقع دیتے، کچھ دیر توقف کرتے، کتابیں ملاحظہ فرماتے، کارکنانِ انجمن سے ملاقات کرتے۔ نہ کسی قسم کا تبختر نہ کسی قسم کا پرہیز۔ ہر شخص سے اسی خندہ پیشانی اور گرم جوشی سے ملتے کہ جیسے وہ بے تکلف دوست مل رہے ہوں۔

افسوس انجمن اپنے جامع الصفات محسن سے اس وقت محروم ہو گئی جب کہ اس کو زیادہ اعانت اور سرپرستی کی ضرورت ہے۔ یہ ایک ایسا حادثہ جانکاہ ہے جس کے اظہارِ غم کی سکت نہیں۔ دل بریاں اور چشم گریاں۔ ہوش و حواس مجتمع ہوں تو کچھ کہا جائے۔

دعا ہے کہ خدائے بزرگ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

قومی زبان کا شمارہ جنوری ۱۹۷۵ء ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم کے بارے میں خصوصی نمبر ہوگا جس میں مرحوم کی سیرت و شخصیت پر مختلف اربابِ قلم کے تاثرات ہوں گے۔ ہم قومی زبان کے اس خصوصی شمارے کو شایانِ شان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں (ادارہ)

فہرست

اداریہ		۳
علامہ اقبال کے ایک ہم عصر عظیم آبادی شاعر	محمد معین الدین دردائی علیگ	۵
بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق تقویم کے آئینے میں	سید علی اکبر شاہ کاظمی	۱۷
مسدس حالی	تنویر کوثر	۲۴
کلام یکتا دہلوی	پروفیسر محمد مسعود احمد	۳۰
پیارے صاحب رشید (ایک مختصر جائزہ)	علی امام رضوی	۳۹
انجمن ترقی اردو کے اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست	افسر امروہوی	۴۲
رفتارِ ادب	ابوسلمان شاہجہانپوری	۵۰
تاریخ مسعود	افسر امروہوی	۵۲
نئے خزانے [illegible]	ابوسلمان شاہجہانپوری	۵۵

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ادارۂ تحریر

جمیل الدین عالی

سید شبیر علی کاظمی

[illegible]

علامہ اقبال کے ایک ہم عصر عظیم آبادی شاعر

محمد معین الدین دردائی علیگ

عظیم آباد جو شعر و ادب کا ہمیشہ گہوارہ رہا ہے اور جس کی خاک پاک سے مرزا بیدل، سید عماد، سجاد، تحقیق، راسخ، جذب، جوشش، خلیل، عبرتی، شاد اور اثر جیسی ہستیاں اٹھیں علامہ اقبال کے دور میں بھی شعر و ادب کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اور ان کے معاصرین میں علی محمد شاد، فضل حق آزاد، امداد امام اثر، حاجی بشارت حسین احقر، شوق نیموی، بیتاب، وفا، حسرت، صفیر بلگرامی، سخن، تمنا عمادی مجیبی، شفیع فردوسی، یاس اور عرفان جیسی نامور ہستیاں موجود تھیں۔ اس وقت میں ان معاصرین میں سے ایک علامہ فضل حق آزاد سے آپ کو متعارف کرانا چاہتا ہوں۔

علامہ فضل حق آزاد ضلع گیا (بہار) کی ایک قدیم شرفا کی بستی شاہو بگہا کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت بہت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ حافظ قرآن ہو جانے کے بعد ان کو علوم فارسیہ اور عربیہ کی اس وقت کے مستند علما سے تعلیم دلائی گئی۔ کئی برس حجاز میں قیام پذیر رہ کر جید حفاظ، علما اور فضلا کی موجودگی میں حرم پاک میں قرآنِ مجید سنا کر انھوں نے اپنے حفظ قرآن اور قرأت میں مہارت کی سند لی۔

علامہ اقبال کے عظیم آبادی معاصرین میں فضل حق آزاد کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انھوں نے علامہ اقبال ہی کی طرح، نیچرل، قومی، وطنی، سیاسی، اور موضوعاتی شاعری کو اپنا موضوعِ سخن بنایا۔ اور ان اصناف میں بڑا اچھا ذخیرہ چھوڑا۔ ایک مزے کی بات یہ ہے کہ اکثر و بیشتر ایک ہی موضوع اور عنوان پر دونوں نے طبع آزمائی فرمائی ہے اگرچہ دونوں کے اندازِ فکر میں خاصا فرق ہے۔

نشاۃ الثانیہ کے بعد کی شاعری ہر طرح معیاری ہوگئی کیونکہ اس دور کے شعرا نے "بدعت غلو" کو بالکل ترک کر دیا تھا۔ اور وہ حقیقت نگاری کی طرف مائل تھے۔ پیشوایانِ انقلاب محمد حسین آزاد، اور حالی نے اس حقیقت نگاری میں بڑی دل کشی پیدا کردی۔

اسی دورِ انقلاب کا دوسرا تحفہ قومی شاعری ہے جس کی آگے چل کر وطنی، مذہبی اور سیاسی کئی شاخیں ہوگئیں۔ پھر اس مذہبی شاعری کے دو اسکول ہو گئے۔ ایک اسکول کے سرکردہ حالی، فضل حق آزاد اور مولوی اسمٰعیل ہوئے اور دوسرے کے علامہ اقبال، شبلی نعمانی اور اکبر الٰہ آبادی۔ حالی اور فضل حق آزاد کا اسکول مسلمانوں کی بربادی، نکبت و پستی، اور افلاس و تباہی کا سبب علوم مغربیہ سے ان کی بے پروائی اور مادی امور میں ان کے پیچھے رہنے کو قرار دیتا ہے اور اس کا مداوا علوم مغربیہ اور جدید علوم و فنون کی تحصیل کو بتاتا ہے ؎

کوئی زنداں نہیں تاریک تر قعرِ جہالت سے
جہاں نکلے ہم اس سے پھر سلامت ہو رہ ذلت (آزاد)

برخلاف اس کے علامہ اقبال اور اکبر کا اسکول اس تباہی اور نکبت کا سبب علوم جدیدہ اور تہذیب مغربیہ کی رنگینیوں میں قدیم اسلامی تہذیب کا گم ہو جانا بتاتا ہے ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر ۔۔۔ لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ۔۔۔ کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

(اقبال)

جس طرح دعا تعویذ ایک طریقہ ازالہ مرض کا ہے اور دوا دارو سے بھی بیماریاں دور ہوتی ہیں اسی طرح ان دونوں مفکرین نے بھی اپنے اپنے ڈھنگ پر "قوم بیمار" کے لیے تجویز و تشخیص کے بعد نسخہ پیش کیا۔ طریقوں میں چاہے کتنا ہی فرق ہو لیکن اصول علاج کی صحت اور معالجین کے خلوص و عظمت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اب ان دونوں نظریات کے اختلافات کو ان کے کلام میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ اقبال کی ایک مشہور نظم ہے ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں ۔۔۔ جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا ۔۔۔ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت پادشاہی علم اشیا کی جہانگیری ۔۔۔ یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے ۔۔۔ ہوس سینے میں چھپ چھپ کر بنا لیتی ہے تصویریں
تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے ۔۔۔ حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو ۔۔۔ لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اس میں "حکیم الامت" نے "قوم بیمار" کی نباضی کے بعد اس کے لیے "نگاہ مرد مومن" کا نسخہ تجویز کیا ہے اور پھر اس کے اجزا کا نام یقین محکم، عمل پیہم، محبت اور عشق بتایا ہے۔ یقین محکم یعنی ایمان کامل کو جہانگیری اور حکمرانی کا سبب قرار دیا ہے ان کی آنکھوں کے سامنے تجربات کے وہ دفتر کھلے ہوئے ہیں جب میں بدر کے میدان میں تین سو تیرہ ایمان والوں نے اپنے سے کئی گونہ زیادہ مسلح اور با سر و سامان "بے ایمانوں" کو چشم زدن میں زیر و زبر کر دیا تھا۔ جب کہ مٹھی بھر بھوکے پیاسے بے سر و ساماں "مردان مومن" نے اپنے عمل پیہم یقین محکم اور محبت کے بل پر مادی طاقتوں اور وسائل سے بھرپور سلطنتوں ایران، مصر، روم و شام کو اپنے قدموں پر سر جھکا لیا تھا۔ غرض اقبال کے یہاں مادی طاقتیں، "مرد مومن" کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

اس قوم بیمار کا "دوسرا معالج" فضل حق آزاد عظیم آبادی اپنے ہم عصر کی ان باتوں کو غلط بتاتا ہے۔ اس کے نزدیک "نگاہ مرد مومن" کی بجائے جہل سے گریز اور علوم مغربیہ پر کامل دستگاہ اس کا علاج ہے ؎

مٹی ہیں جن دلوں میں قصر حریت کی تعمیریں ۔۔۔ وہ اول سوچ لیں اس خواب مدہوشی کی تعبیریں
[illegible] عہد ماضی کی ۔۔۔ کوئی نسبت بھی رکھتی ہیں وہ شمشیریں یہ شمشیریں

بھلا کیا ابن قاسم ان شرر افشاں مشینوں میں
جہاں سر پہ ہوں طیارے وہاں کیا چار تکبیریں
لمن یقتل کی صیقل ہے دلا تلقو بایدیکم
مبارک دست مسلم میں یہ جوہر دار شمشیریں
گلوں میں آگیا ہے کھچ کے سب زور ید اللّٰہی
علوم مغربی کے بس میں ہیں دنیا کی تقدیریں
جرائم میں نہ ہوگا جرم کوئی جہل سے بدتر
یہ وہ تقصیر ہے جس کی ہیں سب سخت تعزیریں
رسول اللہ اگر ہوتے نہ ہوتیں مسجدیں اتنی
جو دارالعلم کی ہوتیں رفیع الشان تعمیریں
کدھر جاتا ہے مسلم اور لازم ہے کدھر جانا
یہ زنداں اس کا زنداں ہے یہ زنجیر اس کی زنجیریں
زمانہ گھات میں ہے اور ہم ہیں خواب غفلت میں
ہمیں جکڑے ہوئے ہیں جہل و نادانی کی زنجیریں
بایں بے طاقتی یہ ساز بے ہنگام یعنی چہ
زبر ناقص عیار نظم کی شاید کہ توقیریں
قفس سے کم نہیں ہے طائر بے پر کی آزادی
ہماری بے پر و بالی یہی ہیں لاکھ زنجیریں
ہم ایسے اور ایسے کائنات اپنی، خدا اپنا
فسانے کا مزا دیتی ہیں مسلم کی یہ تقریریں
ہماری جاں فشانی بے علوم مغربی ضائع
ہمارے ولولے اک خلط سودا کی ہیں تبخیریں
عمل کو شرط اول، شمع علم مغربی کی ہے
اسی اک شمع کی تو ساری دنیا کی ہیں تنویریں
یہ حریت کی دھن ہے یا کوئی منہ کا نوالا ہے
اسے اے بے خبر درکار ہیں صدیوں کی تاخیریں
رسول اللہ کی امت میں ہے، بے علم و عرفاں ہے
اسے آزاد کیا سمجھے وہ اک سیدھا مسلماں ہے

علامہ اقبال کی ایک مشہور فارسی نظم ہے جس میں ان کا قومی اور سیاسی موقف بہت نمایاں ہے۔ ان کا اس وقت خیال تھا کہ ہندوستان میں جب مختلف قومیں آباد ہیں جن میں مسلمان بھی ایک ہیں تو ان کے لیے آپس کی کشیدگی عصبیت اور نفاق مناسب نہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں ایک مادر وطن کی دو آنکھیں ہیں اس لیے آپس میں میل محبت سے رہنا چاہیے۔ اسی خیال کے تحت انھوں نے مسلمانوں کو مندرجہ ذیل نظم میں رواداری، بنی نوع انسان کے ساتھ محبت اور خدمت کی ترغیب دی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ خودداری، استقلال، اور پیہم جد و جہد کی بھی تعلیم دی ہے ؎

دانہ سبحہ بہ زنار کشیدن آموز
گر نگاہ تو دو بین است نہ دیدن آموز
پا ز خلوت کدۂ غنچہ بروں زن چو شمیم
با نسیم سحر آمیز و وزیدن آموز
آفریدند اگر شبنم بے مایہ ترا
خیز و بر داغ دل لالہ چکیدن آموز
اگرت خار گل تازہ رسی ساختہ اند
پاس ناموس چمن دار و خلیدن آموز
باغباں گر ز خیابان تو برکند ترا
صفت سبزہ دگر بارہ دمیدن آموز
تا تو سوزندہ تر و تلخ ترائی ببرد ل
غزلت خمکدہ گیر و رسیدن آموز
تا کجا در تہ بال دگراں می باشی
در ہوائے چمن آوارہ پریدن آموز
در مے خانہ زدم مغ بچگانم گفتند
آتشے در حرم افروز و تپیدن آموز

فضل حق آزاد عظیم آبادی کا سیاسی اور قومی موقف اس سے بالکل جدا تھا۔ وہ کفر و ظلمات کو کبھی اور کسی حال میں بھی یک جا دیکھنے کے قائل نہ تھے۔ اور اپنے اس نظریے پر ان کو اعتماد تھا۔ خیالات میں پختگی اور ادراک و تجربہ بھرپور سا تھا۔ ان حالات کے تحت ظاہر ہے ان کو علامہ اقبال کے اس موقف سے کسی طرح اتفاق ممکن نہیں تھا۔ وہ برہمنی سیاست اور داؤ پیچ سے بہت خوف زدہ رہتے تھے۔ اور انھیں تلخ تجربہ بھی ہوتا رہا تھا۔ ان کی نظر میں علامہ اقبال کا یہ "ہندو مسلم بھائی بھائی" کا موقف محض سیاسی بھول ہی نہیں بلکہ تباہ کن بھی تھا اور یہ اضطراب اور جھلاہٹ ان کی مندرجہ ذیل نظم سے ظاہر ہے۔ جو انھوں نے اس کے جواب میں لکھی تھی ؎

چشم داری بجز از خویش نہ دیدن آموز
گوش داری سخن از خواجہ شنیدن آموز

چشم بکشا دمدہ رخصت باطل بینی
گوش وا دار بجز حق نہ شنیدن آموز

اے بسا دیدۂ بینا کہ نہ باشد بینا
اندریں سلسلہ دیدن بہ شنیدن آموز

اے دو چشم نگراں لے کہ یکے می بینی
ہمہ را یک و یکے را ہمہ دیدن آموز

دانۂ سبحہ بہ زنار مکش دام مچیں
در حضور از رہ اخلاص رسیدن آموز

نقد دولت دگر و خواب خیالی دگر است
بہ کہ ایں خواب دگر بارہ نہ دیدن آموز

عنکبوتی مکن و خویش فراموش مشو
تار آشفتہ سر بہانہ شنیدن آموز

پیرو بوالہوساں بو ہفت از نے جری است
بہ کہ ایں خرقہ بہ دست، آرد دریدن آموز

سعی بیہودہ مکن، زحمت بے صرفہ مکش
روش مصلحت آمیز گزیدن آموز

گر نہ سازد روش گردش دوراں با تو
خویش را از غم ایام خریدن آموز

سگ نہ، خار نہ اے گل گلزار وطن
ناتوانی نہ خلیدن نہ گزیدن آموز

بگذر از شورش و ایں شیوۂ شہر آشوبی
بر کراں بودن و در گوشہ خزیدن آموز

صورت آئینہ ہموار و مصفی می باش
زشت و زیبا بہ یک آغوش کشیدن آموز

ہر کہ از تو بہ فشاند بہ فشاں دست از و
وانکہ دور از تو زند، ہم تو رمیدن آموز

ارتقا خواہ بہ تدریج و تامل می خواہ
رفتن آموز پس آنگاہ دویدن آموز

خاک را گر نتواں کرد ز صہبا سیراب
شبنم آسا بہ سر تاک چکیدن آموز

نظم آزاد کہ صدق است و صفا سر تا سر
گر بہ دیدن نہ توانی بہ شنیدن آموز

آزاد عظیم آبادی مادیت کے پرستار تھے۔ روحانیت پر ان کا عقیدہ نہ تھا آنکھ بند کر کے وہ بغیر سبب کے مُسبّب کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے وہ ہر چیز کے لیے سبب اور منطقی استدلال تلاش کرتے تھے۔ برخلاف اس کے علامہ اقبال روحانیت کے شیدائی تھے اور وہ کائنات کو اس زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کے عادی تھے۔

ان کے یہاں قوم کی ترقی اور فلاح صرف اس کی اخلاق کی درستی، ایمان کی استواری، اور پیہم جد وجہد میں مضمر ہے وہ ساری خرابیوں کا حل اسی میں تلاش کرتے ہیں مختصر یہ کہ ان میں سے ایک ہتھیار اور اسلحہ سے پہلے انسان کی روحانی طاقت، اخلاقی اقدار اور عزم کو بڑھانا چاہتا ہے اور دوسرا صرف ہتھیار اور مشین پر زور دیتا ہے یعنی مادی طاقتوں پر قبضہ کرنے کا مشورہ دیتا ہے ایک دل پر زور دیتا ہے دوسرا عقل پر، ایک علوم مغربیہ کی رخنہ اندازیوں سے گھبرا کر دل گیر و دل خون بیرزدگی سے فریادی ہے ؎

چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں | علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں
پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب | روح میں باقی ہے اب تک درد و کرب

دوسرا مادیت اور مشینوں کی طاقتوں کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے۔ اور اسی کو قومی ترقی اور فلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے ؎

وہ اسرار حقیقت نور افشاں تھے جو سینوں میں | وہ ہیں تاباں درخشاں سعی علمی کے سفینوں میں
حریف سجدۂ شکر خدا ہے سعی کار آمد | جو آنکھیں ہوں تو کر لو اس کا نظارہ مشینوں میں
تعالیٰ شانہٗ آلات حرب آلات جراحی | کہ شور ما عرفنا ہے بپا باریک بینوں میں
وہ طے ہوتی ہے کیوں کر چند گھنٹوں میں بہ آسانی | مسافت جو بہ مشکل قطع ہوتی تھی مہینوں میں
کہاں تک روئے یارب کوئی ایسے زر ایماں کو | ضیا محدود ہو جس کی مسلمانوں کے سینوں میں
گئے وہ دن کہ تھا عرش الٰہی قلب مومن میں | نظر آتے ہیں صاف انوار حق روشن جبینوں میں
خدا کو ڈھونڈھنے نکلے ہیں جو سن لیں خدا والے | کہ اب وہ محفلوں میں ہے نہ وہ خلوت نشینوں میں
عصائے موسوی میں ہے نہ آتش خضر صورت میں | عباؤں میں نہ وہ شیخ حرم کی آستینوں میں
کلیسا میں نہ وہ دیر بتاں میں ہے نہ کعبے میں | نہ وہ سات آسمانوں میں نہ دنیا کی زمینوں میں

علوم مغربی آزاد ہے اول مقام اس کا
نہیں تو پھر وہ انگلش پالیسی کے آبگینوں میں

غرض ان دونوں مفکرین کے بنیادی اختلافات کا یہی محور ہے جس کے گرد ان کی قومی شاعری گھومتی رہی ہے۔ قومی شاعری سے ہٹ کر اب ہم ذرا موضوعاتی شاعری کی طرف آئیں۔ اردو زبان میں نظیر اکبر آبادی "موضوعاتی شاعری" کے لیے بہت ممتاز مانے جاتے ہیں اور انھوں نے لاتعداد معیاری اور دلکش موضوعاتی نظمیں لکھیں۔ آزاد عظیم آبادی مرحوم کے چھوڑے ہوئے علمی ذخیروں میں جو کئی صندوقوں پر مشتمل ہے، ان کی بہت سی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ایسی موضوعاتی نظمیں ملتی ہیں جن پر علامہ اقبال نے بھی طبع آزمائی فرمائی ہے۔ میں یہاں ان دونوں ہم عصر خدایان سخن کی چند ایسی موضوعاتی نظمیں یکجا کر کے پیش کر رہا ہوں جو ایک ہی عنوان پر لکھی گئی ہیں۔ اس سے میرا مقصد مقابلہ ہرگز نہیں بلکہ ناظرین کے لیے لطف طبع کا سامان فراہم کرنا ہے۔ "حقیقت حسن" پر علامہ اقبال کی بہت مشہور نظم ہے ؎

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا | جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا | شب دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا

ہوئی ہے رنگ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

کہیں قریب تھا یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی اختر سحر نے سنی

سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتادی زمیں کے محرم کو

بھر آئے پھول کے آنسو پیام شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہوگیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

اسی "حقیقت حسن" پر آزاد عظیم آبادی نے بھی طبع آزمائی کی ہے ملاحظہ ہو ۔

خدا نے حسن کو پیدا کیا جو روز ازل
تو بعد حمد و ثنا حسن نے سوال کیا

نظر فریب بنا کر ریاض عالم میں
جو میری ہستیٔ ناچیز کو نہال کیا

تو کس قصور میں یارب کیا زوال پذیر
دیا یہ اوج تو پھر کیوں نہ لازوال کیا

ملا جواب کہ ہے لازوال ذات قدیم
یہ اس کی شان ہے تو نے یہ کیا خیال کیا

اسی زوال و تغیر سے ہے ترا نیرنگ
اسی زوال نے پیدا ترا کمال کیا

سنا جو طائر گلشن نے یہ ترانۂ غیب
خوشی سے نعرۂ تسبیح ذوالجلال کیا

جو منکشف یہ ہوا راز غنچۂ گل پر
تو کھلکھلا کے ہنسا دعوئ جمال کیا

کھلیں وہ نرگس شہلا کی خواب سی آنکھیں
تو شانہ کاکل سنبل میں بال بال کیا

بہار نے سر سبزہ کو دے کے زر کا تاج
جمایا رنگ کہ دفع ہر احتمال کیا

ہر ایک شاخ جھکی سجدۂ الٰہی میں
نمازیوں نے ادا شکر لایزال کیا

علامہ اقبال کی ایک نظم ہے "رات اور شاعر" چاندنی رات کی رنگینیاں اور سحر آفرینیاں مشہور ہیں شاعر اس چاندنی رات میں اپنے عالم میں گم آوارہ گردی کر رہا ہے ۔ رات اس سے کچھ سوال کرتی ہے ۔ شاعر اس کا جواب دیتا ہے اس مکالمے میں علامہ اقبال نے جو عالم پیش کر دیا ہے اور شاعر کی کیفیات دل کی جو ترجمانی کر دی ہے اردو شاعری میں اس کی مثال کم ملتی ہے ۔

رات

کیوں میری چاندنی میں پھرتا ہے تو پریشاں
خاموش صورت گل مانند بو پریشاں

تاروں کے موتیوں کا شاید ہے جوہری تو
مچھلی ہے کوئی میرے دریائے نور کی تو

یا تو مری جبیں کا تارا گرا ہوا ہے
رفعت کو چھوڑ کر جو بستی میں جا بسا ہے

خاموش ہو گیا ہے تارِ ربابِ ہستی ہے میرے آئینے میں تصویرِ خوابِ ہستی
دریا کی تہہ میں چشمِ گرداب سو گئی ہے ساحل سے لگ کے موجِ بے تاب سو گئی ہے
بستی زمیں کی کیسی ہنگامہ آفریں ہے یوں سو گئی ہے جیسے آباد ہی نہیں ہے
شاعر کا دل ہے لیکن ناآشنا سکوں سے
آزاد رہ گیا تو کیوں کر مرے فسوں سے

شاعر

میں ترے چاند کی کھیتی میں گہر بوتا ہوں چھپ کے انسانوں سے مانندِ سحر روتا ہوں
دن کی شورش میں نکلتے ہوئے شرماتے ہیں عزلتِ شب میں مرے اشک ٹپک جاتے ہیں
مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو تپشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو
برقِ ایمن مرے سینے میں پڑی روتی ہے دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے
صفتِ شمعِ لحد مردہ ہے محفل میری آہ اے رات بڑی دور ہے منزل میری
عہدِ حاضر کی ہوا راس نہیں ہے اس کو اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اس کو
ضبطِ پیغامِ محبت سے جو گھبراتا ہوں تیرے تابندہ ستاروں کو سنا جاتا ہوں

آزاد عظیم آبادی نے بھی "رات اور شاعر" پر نظم لکھی ہے اس میں بھی رات کا شاعر سے تقریباً وہی استفسار ہے جو علامہ اقبال کی رات نے کیا ہے یعنی میری اس سناٹگی اور خاموشی میں مارا مارا کیوں پھر رہا ہے جب کہ ساری کائنات محوِ خواب ہے کیا تجھ پر میرے افسوں کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ آزاد عظیم آبادی نے بجائے شبِ ماہ کے اپنی نظم کے لیے "شبِ تاریک" کو پسند کیا ہے، اور تاریک رات کی سناٹگی، دہشت ناکی، سکوت کی منظرکشی میں عجب عالم پیدا کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

رات

اف یہ سناٹا یہ تاریکی یہ جنگل دہنے بائیں تیز تر جھونکے ہوا کے چلنے والے سائیں سائیں
دو قدم انسان اس ظلمت میں چل سکتا نہیں گھر سے باہر نورِ بینائی نکل سکتا نہیں
آب آب اس وقت کی دہشت سے ہیں تعب و جگر ٹوٹی پڑتی ہیں بلائیں ہو رہے ہیں شیر نر
سب پہ اک سکتے کا عالم ہے کھڑے کیا ہیں درخت پتے پتے پر کوئی دیکھے تو ہے یہ وقت سخت
صورتِ خارِ گلستاں ہر طرح مجہول ہے چادرِ شبنم میں ہے سمٹا ہوا جو پھول ہے
موجِ دریا خارِ ماہی کی صفت پوشیدہ ہے سینۂ صحرا میں جادہ اک رگِ خوابیدہ ہے

مجھ کو اک زریں کلہ سے ہے زمانے میں ستیز
ماہِ تاباں تو مرے سایے سے کرتا ہے گریز

چھوڑ دے دامن مرا ظلمت میں کیوں کرتا ہے گھر
جان دے دنیا کو ہے اک خواب لے آشفتہ سر

شاعر

تیری تاریکی میں ہے شمع تجلی کی جھلک
تیری ظلمت دیدۂ بے خواب کی ہے مردمک

تجھ سے ہے خونابہ در دل نافۂ مشکین غزال
تیری تاریکی نہیں ہے شمع فانوس خیال

دن کے ہنگامے سے ہے دلکش فزوں تیرا سکوت
ہے یہ شاعر کے لیے جاں بخش روح افزا سکوت

تیرے پردے میں نظر آتی ہے وہ دنیا مجھے
خواب بھی جس کا نہ اس دنیا نے دکھلایا مجھے

چپکے چپکے تیری خاموشی کے بجتے ہیں جو ساز
روح سے پوچھے کوئی ہوتے ہیں کیسے دل نواز

یہ تو کس منہ سے کہوں صدق و صفا آئیں ہوں میں
تیرے باغ بے خزاں کا ہاں مگر گلچیں ہوں میں

عندلیب زار ہوں کس طرح گلشن چھوڑ دوں
چھوڑ دے دنیا تو میں بھی تیرا دامن چھوڑ دوں

دل تو روشن ہے بلا سے ہے جو گھر تاریک ہے
لے سلام اے لیلیٔ ظلمت، سحر نزدیک ہے

"نمودِ صبح" پر علامہ اقبال کی بہت مشہور اور معرکۃ الآرا نظم ہے اس میں شاعر نے صبح کے سہانے منظر کی جس پیارے اور دل کش انداز میں نقاشی کی ہے وہ بے مثل ہے۔ اس میں تشبیہات اور استعارے بڑے فن کارانہ طور پر پیش کیے گئے ہیں ؎

ہو رہی ہے زیرِ دامانِ افق سے آشکار
صبح یعنی دخترِ دوشیزۂ لیل و نہار

پا چکا فرصت درودِ فصلِ انجم سے سپہر
کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار

آسماں نے آمدِ خورشید کی پا کر خبر
محملِ پروازِ شب باندھا سرِ دوشِ غبار

شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقانِ گردوں نے جو تاروں کے شرار

ہے رواں نجمِ سحر جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابدِ شب زندہ دار

کیا سماں ہے جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آبدار

مطلعِ خورشید میں مضمر ہے یوں مضمونِ صبح
شورشِ ناقوس آوازِ اذاں سے ہم کنار

جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار

اس موضوع پر آزاد عظیم آبادی نے بھی "منظرِ صبح" کے عنوان سے ایک دلکش نظم لکھی ہے تشبیہات کی ندرت، زبان کی

صفائی اور الفاظ کا شکوہ اس میں قابل توجہ ہے ملاحظہ ہو ؎

زہے وہ خندۂ پنہاں بہار منظرِ صبح
زہے وہ حسن سراپائے نور پیکرِ صبح

سوادِ طرۂ شب ہے کہ شام گیسوئے یار
سپیدۂ سحری ہے کہ روئے دلبرِ صبح

ندائے حیّ موذن، صلائے عام صبوح
صدائے کوس و درا، وضع فیض گسترِ صبح

رواں ہے ناقہ لیلائے شب گسستہ مہار
کہ دست دیو فلک میں ہے تیز خنجرِ صبح

ہوا ہے پیر فلک، دست رعشہ دار میں ہے
چھلک رہا ہے شراب شفق سے ساغرِ صبح

غلاف نور ہے ڈھانکے ہوئے ہر اک شے کو
خیال و دشت سراسر ہیں زیر چادرِ صبح

نہیں یہ نور سحر ہے غبار نقرۂ خام
شعاع مہر نہیں، ہے قراضۂ زرِ صبح

بھرے ہیں ساغر لعلیں، نہیں گلاب کے پھول
نہیں یہ شبنم تر، منتشر ہیں گوہرِ صبح

صباحتِ رخ خنداں، لطافت گل تر
یہی خزینۂ زر ہے یہی ہے زیورِ صبح

جو پھول ہے وہ زر گل سے بوتۂ زر ہے
چمن نہیں ہے، یہ ہے دست گاہ زرگرِ صبح

ہوئے ہیں باب کرم باز ہر طرف ہے ہجوم
کھلا امید کا در بھی جو کھل گیا درِ صبح

بپاس خاطر آرامش نبات نبات
بچھائی دھوپ نے صحرا میں مسندِ زرِ صبح

نوائے صحن گلستاں، غریو دامن دشت
بپا ہے چار طرف زیر چرخ محشرِ صبح

مخدّرات فلک کے بھی کان پر ہیں ہاتھ
یہ نالۂ سحر آزادؔ ہے کہ نشترِ صبح

آزادؔ عظیم آبادی کی ایک مشہور نظم شبنم ہے جسے پڑھ کر تشبیہ و استعارات کے لحاظ سے علامہ اقبالؔ کی نظم "جگنو" یاد آجاتی ہے۔ اس نظم میں آزادؔ کی قادر الکلامی ترکیب کی بندش اور تشبیہہ و استعارے کے حسین اور برمحل استعمال کا بہترین نمونہ ہمیں مل جاتا ہے ؎

چہرہ پرداز چمن آئینہ ساماں کہیے
عرق روئے زمیں، دیدۂ حیراں کہیے

سیل کافور سحر کہیے اول اسے فرض
چاہیے پھر تو طباشیر گلستاں کہیے

شاہد گل کے لیے گوہر آویزۂ گوش
صبح خنداں کے دہن کا دُرِ دنداں کہیے

اس کے رونے سے دُر افشاں ہے ہنسی پھولوں کی
اشک شادی صدف خندۂ پنہاں کہیے

تشنہ کامان چمن سب ہیں اسی سے سیراب
رشحۂ ابر کرم بارش احساں کہیے

برہمن کی اسے بکھری ہوئی کہیے سمرن
منتشر دانۂ تسبیح مسلماں کہیے

اور اگر اس کو سمجھتے ہیں سخن پردازی
کچھ نہ کہیے تو بھلا شبنم غلطاں کہیے

آزادؔ عظیم آبادی کے یہاں چند موضوعاتی نظمیں ایسی بھی ملتی ہیں جنھیں پڑھکر نظموں کی حسن کاری اور دلکشی کے ساتھ بہت سی ایسی باتیں بھی ہمارے سامنے آجاتی ہیں جو دل میں گہرا اثر اور خلش پیدا کر دیتی ہیں اور ہمیں راہ عمل دکھاتی ہیں۔ ایک ستزاد بہ عنوان "آپس کا اتفاق" ملاحظہ ہو: ؎

اے چھوٹی چھوٹی چونٹیو' اے ہستی ضعیف ـــــ دانہ کش نحیف!
تم آگئیں کدھر سے رَی کا پیوں کے پاس ـــــ بے خوف و بے ہراس
اک طعمۂ پتنگ کہ تھا لقمۂ لطیف ـــــ آذوقۂ ضعیف
بو اس کی کھینچ لائی تمھیں اے خرد شناس ـــــ بس ہے یہی قیاس

اللہ کیا ہجوم ہے کیا ازدحام و جوش ـــــ ہنگامۂ خروش
سب اک طرف رواں دواں جفت ہو کر طاق ـــــ چالاک و چست و چاق

لائیں کشاں کشاں نہ ہوا کچھ بھی بار دوش ـــــ اللہ رے تیز ہوش
یہ بند و بست و سلسلہ و نظم و طمطراق ـــــ آپس کا اتفاق

آخر میں آزادؔ عظیم آبادی کی دو ایسی نظموں کو پیش کروں گا جن میں انھوں نے جذبات کی عجوبہ کاری کو نہایت چابک دستی سے بے نقاب کیا ہے۔ ان نظموں میں داخلی اور خارجی محاسن کا کمال نظر آتا ہے پہلی نظم کا عنوان ہے "چاندنی رات میں اپنے بچے کو گود میں لیے ہوئے ایک ایشیائی ماں کے جذبات" ؎

آنکھوں کا نور چاندنی' چاندنی رات کا سماں
چاندی کا گر ورق کہوں' اس میں یہ نازکی کہاں
چھائی ہوئی غنودگی' خواب میں سارا بوستاں
پھول ہر ایک شیر مست' بچۂ مہد بے زباں
دھیمی ہوا کے لوچ میں جنبشِ گاہوارہ ہے
میری بغل میں بھی مرا ننھا سا ماہ پارہ ہے

گوہر دامن مراد غنچۂ باغ آرزو
چاند ہے اوج چرخ پر گود میں ہے رخ نکو
باغ میں یہ خوشی کہاں گل میں کہاں یہ رنگ و بو
چاندنی آب سیم سے کرتی ہے اس کی شست و شو
اختر بخت یہ مرا چمکے گا چاند کی طرح
نشو و نما یہ پائے گا نام خدا اسی طرح

اور دوسری نظم کا عنوان ہے "آلۂ ٹیلیویژن کی ایجاد پر ایک متوفی بچے کی ماں کے جذبات":

وہ آئے گا بلائیں لوں، جو یہ سچ ہے بلا دیکھوں
اڑوں میں کس طرح اور اک پل میں اس کو جا دیکھوں
وہ اس کا مسکرانا وہ مچلنا روٹھنا دیکھوں
وہ ہے کس حال میں اس کا بُرا دیکھوں بھلا دیکھوں
محال اب دیکھنا جس کا ہے میں اس کو ذرا دیکھوں
ترقی کر ذرا کچھ اور اے فنّ فلم سازی

جھنڈولے بال اس کے اور وہ رخسار پھولوں سے
بچاتی تھی ہوا سے دھوپ سے اس کو بگولوں سے
زمیں پر پاؤں کیا رکھتا اترتا تھا نہ جھولوں سے
میں اس کی پرورش کرتی رہی کن کن اصولوں سے
ولیکن اب کہاں ممکن تصور کے سوا دیکھوں
ترقی کر ذرا کچھ اور اے فن فلم سازی

وہ اس کا توتلا پن سب کے جی پہ دم نکلتے تھے
درست الفاظ اس کے منہ سے اب تک کم نکلتے تھے
جو انگلی تھام کر چلنے میں پیچ و خم نکلتے تھے
میں دل ہی دل میں خوش ہوتی تھی کیا پیہم نکلتے تھے
وہ اب تک کیا سے کیا ہوتا اب اس کا خواب کیا دیکھوں
ترقی کر ذرا کچھ اور اے فن فلم سازی

ادھر دیکھوں اُدھر دیکھوں کدھر میں مبتلا دیکھوں
الٰہی کس طرح اس کو میں ہنستا بولتا دیکھوں
جو ان آنکھوں کا تارا تھا وہ چہرہ چاند سا دیکھوں
میں اپنی گود میں بچہ وہ اپنی گود کا دیکھوں
خدا کی شان دیکھوں کیا بتاؤں اور کیا دیکھوں
ترقی کر ذرا کچھ اور اے فن فلم سازی

نہیں کچھ یہ تمنا برخلاف امرِ ربّانی
رہے سائنس کا اعجاز، حکمت کی فراوانی
عجب کیا ہے کہ حل ہو جائے یہ مشکل بہ آسانی
کھنچے تصویرِ معقولات و منقولات انسانی
نہ دیکھا ہو جو کچھ آنکھوں سے وہ سب ماجرا دیکھوں
ترقی کر ذرا کچھ اور اے فن فلم سازی

یہ دونوں نظمیں "ماں" ہی کے جذبات پیش کرتی ہیں مگر فرق صرف یہ ہے کہ ایک میں جوش و امنگ ہے اس ماں کی جس کی اپنے ننھے سے چاند کے مستقبل سے لاکھوں تمنائیں اور آرزوئیں وابستہ ہیں اور ان دو بندوں پر مشتمل نظم میں ایک گود بھری خوش نصیب ماں کے داخلی جذبات کی پوری طرح عکاسی کی گئی ہے۔ دوسری نظم کے اندر ماں کے جذبات میں ایک ٹوٹتے ہوئے ساز کی جھنکار پائی جاتی ہے اس کی بے کلی، اضطراب، سوز اور درد نہ صرف اسے کسی پہلو چین نہیں لینے دیتے بلکہ دوسروں کو بھی تڑپا دیتے ہیں، پہلی نظم میں ماں کی گود بھری ہوئی ہے اور دوسری نظم میں خالی ہے۔ اس کا لعل اسے داغ جدائی دے گیا ہے۔ اضطراب اور بے قراری کی تصویر ان بندوں میں پوری طرح اجاگر کی گئی ہے۔ ان دونوں نظموں میں آزاد ایک ماہر نفسیات نظر آتے ہیں۔

غرض آزاد عظیم آبادی کی موضوعاتی نظمیں بے شمار ہیں اور جو ہیں وہ خوب ہیں۔ ان کے تخیل کی بلند پردازی، مشاہدات کی وسعت، اور کائنات کے گہرے مطالعے نے ان کی موضوعاتی شاعری کو حد درجہ دل فریب اور شاندار بنا دیا ہے۔ عظیم آباد کی مردم خوار سرزمین اور وہاں کے "خودشناس" لوگوں نے ان کے کلام کا بہت بڑا ذخیرہ برباد کر دیا اور کیڑوں کو دکھلا دیا اس کے باوجود جو کچھ باقی ہے وہ ان کو غیرفانی بنانے کے لیے کافی ہے۔ قارئین نے پسند کیا تو ان پر آئندہ بھی کچھ لکھنے اور ان کے بیش بہا کلام کو پیش کرنے کے مواقع نکالوں گا۔

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق

تقویم کے آئینے میں

سید علی اکبر شاہ کاظمی

آپ کی ولادت متحدہ ہندوستان میں بتاریخ ۲۰ اگست سنہ ۱۸۷۰ء بمطابق ۲۲ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۷ھ بروز ہفتہ ہوئی بحساب منجمین اہل یونان آپ کی ولادت برج اسد میں ہوئی۔ اسد کے معنے شیر کے ہیں اس لیے آپ میں بہادری، دلیری، جرأت جیسے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ متولدین برج اسد میں حکومت کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور بہترین انتظامی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں انجمن ترقی اردو "ہند" قائم ہوئی تو آپ نے شمولیت فرمائی اور سنہ ۱۹۱۲ء میں اس کے سکریٹری نامزد ہوئے۔ انجمن کی تمامتر کامیابیوں کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ کی انتھک محنت جدوجہد صرف کارہائے انجمن تک ہی محدود نہ تھی بلکہ برصغیر کی تحریک آزادی کے مترادف تھی۔ جوں جوں ان کی رہنمائی میں اردو کو فروغ حاصل ہوا اغلاماً ہندی کو نہیں بلکہ مسلمانان ہند کی جدوجہد آزادی کو تقویت ملتی گئی حتیٰ کہ مفکر پاکستان ڈاکٹر محمد اقبال نے بابائے اردو مرحوم کے بارے میں فرمایا "ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل آپ کی تحریک سے وابستہ ہے" بابائے اردو جہاں اردو کی خدمت کر رہے تھے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہموطنوں کو درس حریت بھی دے رہے تھے۔ سنہ ۱۹۲۰ء سے تا تقسیم ہند سنہ ۱۹۴۷ء بلا امتیاز قوم و زبان کی بلا تعصب خدمت کی اور سنہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے عالم وجود میں آنے پر آپ نے پیری کے عالم میں بھی آرام نہ فرمایا اور تادم واپسیں پاکستان کی قوم و زبان کی اپنی بساط سے بڑھ کر خدمت بجالانے میں مصروف رہے۔ آپ کے احسانات صرف اردو پر ہی نہیں ہوئے بلکہ جب تک اردو برصغیر پاکستان اور ہند میں یا دنیا میں بولی جائے گی۔ آپ کا نام اہل ذکر و فکر نہ بھول سکیں گے۔ تقریباً ۹۱ برس کی عمر میں عہد حکومت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مرحوم ۱۶ اگست سنہ ۱۹۶۱ء مطابق ۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۱ھ بروز بدھ وار اللہ کے حضور میں پیارے ہوئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون!

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کو آج ہم سے جدا ہوئے تیرہ ۱۳ برس بیت چکے ہیں۔ ان کا ذکر و فکر ان کا علم و عمل ہمارے دلوں میں موجزن ہے اور ان کی خدمات برائے اردو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ انشاء اللہ جب تک اردو ہماری "قومی زبان" ہوگی بابائے اردو کا نام زندہ رہے گا۔ آپ کی گرانقدر امانت "اردو" کا تحفظ ہوگا اور تحریک حریت "سرمایہ اردو سے مستفید ہوتی رہے گی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(الف) یوم وفات "بابائے اردو" کا مروجہ شمسی عیسوی حسابات تقویم کے بعد قمری حسابات تقویم میں جائزہ بلحاظ ۱۶ اگست سنہ ۱۹۶۱ء بمطابق ۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۱ھ بروز بدھوار

حل طلب مدت شمسی = ۹۰ سال۔ ۷ ماہ اور ۱۶ دن

	دن	ہفتے
۱۹۰۰ شمسی سالوں کے ہفتے اور دن =	۱	۹۹۱۳۷
۶۰ 〃 〃 〃 =	۵	۳۱۳۰
۱۹۶۱ء کے ۷ ماہ کے 〃 〃 =	۲	۳۰
۱۹۶۱ء کے ماہ اگست کے ۱۶ دن =	۲	۲
کل مدت یکم جنوری ۱ء تا ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء	③	۱۰۲۳۰۰

مکمل ہفتوں سے زائد ③ دن ہیں۔ یکم جنوری ۱ء کو سوموار کا دن تھا بموجب قاعدہ تقویم تیسرا دن بدھوار بمطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء درست ہے۔ قمری حسابات تقویم رائج الوقت کے لئے کل شمسی مدت میں سے مدت قبل آغاز سن ہجری ۳۲۴۳۰ ہفتے اور ۶ دن منفی کرنے کے بعد بقیہ مدت کے لئے بحساب قمری سنین و ماہ عمل کرنا ہوگا۔ عمل ملاحظہ فرمائیں۔

	دن	ہفتے
یکم جنوری ۱ء تا ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کل مدت =	۳	۱۰۲۳۰۰
مدت قبل آغاز سن ہجری =	۶	۳۲۴۳۰
یکم محرم ۱ھ تا ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کل قمری مدت =	④	۶۹۸۶۹

مکمل ہفتوں سے ④ دن زائد ہیں آغاز سن ہجری ایت دار سے باافق پاکستان ہے بموجب قاعدہ تقویم چوتھا دن بدھوار ہے قمری سنین ماہ و روز کے لیے عمل ملاحظہ فرمائیں۔

	منٹ	گھنٹے	دن	ہفتے	
حل طلب مدت قمری =	۰	۰	۴	۶۹۸۶۹	
۱۳۰۰ قمری سالوں کے ہفتے دن گھنٹے و منٹ =	۲۳	۲۳	۴	۶۵۸۱۰	← منفی کریں
=	۳۷	۰	۶	۴۰۵۸	
۸۰ 〃 〃 〃 〃 〃 =	۲۸	۵	۶	۴۰۴۹	← منفی کریں
=	۰۹	۱۹	۶	۸	
۱۳۸۰ھ کے ۲ ماہ کے بعد ہ۔ د۔ گ۔ م =	۲۷	۱	۲	۸	← منفی کریں
۱۳۸۱ھ کے تیسرے ماہ کے ۴ دن اور تقریباً ۱۸ گھنٹے یا ۴ دن ماہ	۴۲	۱۷	۳	۰ یا	
		۰	④	۰	

ربیع الاول کے ہیں پس ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء بمطابق ۴ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ بروز بدھوار بلحاظ تحقیق یوم وفات بابائے اردو مرحوم صحیح ہے۔

(ب) یوم ولادت بابائے اردو کا مروجہ قمری حسابات تقویم کے بعد شمسی عیسوی حسابات تقویم میں جائزہ بلحاظ ۲۲ جمادی الاول ۱۲۸۷ھ بمطابق ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء بروز ہفتہ

حل طلب مدت قمری = ۱۲۸۶ سال - ۴ ماہ اور ۲۲ دن

(ہفتے - دن - گھنٹے - منٹ)

۱۲۰۰ قمری سالوں کے ہفتے دن گھنٹے اور منٹ = ۶۰۷۴۸ - ۲ - ۱۰ - ۲۱

۸۶ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 = ۴۳۵۲ - ۴ - ۱۰ - ۶

۱۲۸۶ھ کے ۴ ماہ 〃 〃 〃 〃 = ۱۶ - ۶ - ۲ - ۵

۱۲۸۶ھ کے ماہ جمادی الاول کے ۲۲ دن = ۳ - ۱ - ۰ - ۰

کل مدت یکم محرم ۱ھ یا ۲۲ جمادی الاول ۱۲۸۶ھ = ۶۵۱۲۱ - ۶ - ۲۲ - ۴۲ یا
۶۵۱۲۲ - ۰ - ۰ - ۰

آغاز سن ہجری مروجہ روایات سے ہوا مکمل ہفتے میں بموجب قاعدہ تقسیم ہفتہ کا دن تھا۔ شمسی حسابات تقویم کے لیے مدت قبل آغاز سن ہجری ۳۲۴۳۰ ہفتے ۶ دن جمع کرنے ہوں گے اور اس کے بعد شمسی عیسوی سنین ماہ و روز کا حساب ہوگا۔ عمل ملاحظہ فرمائیں۔

(ہفتے - دن)

یکم محرم ۱ھ تا ۲۲ جمادی الاول ۱۲۸۶ھ کل مدت = ۶۵۱۲۲ - ۰

مدت قبل آغاز سن ہجری یکم جنوری ۱ء تا ۱۰ جولائی ۶۲۲ء = ۳۲۴۳۰ - ۶

یکم جنوری ۱ء تا ۲۲ جمادی الاول ۱۲۸۶ھ کل مدت = ۹۷۵۵۲ - ⑥

مکمل ہفتوں سے ⑥ دن زائد ہیں بلحاظ قاعدہ مروجہ تقدیم شمسی آغاز سوموار سے ہوا تھا لہٰذا ۲۲ جمادی الاول ۱۲۸۶ھ کو ہفتہ کا دن تھا۔ شمسی سنین ماہ و روز کے لیے عمل ملاحظہ فرمائیں

(ہفتے - دن)

حل طلب مدت = ۹۷۵۵۲ - ۶

۱۸۰۰ شمسی سالوں کے ہفتے اور دن = ۹۳۹۱۹ - ۳ ← منفی کریں

= ۳۶۳۳ - ۳

۶۹ شمسی سالوں کے ہفتے اور دن = ۳۶۰۰ - ۲ ← منفی کریں

---

۳۳ - ۱

۱۸۷۰ء کے ۷ ماہ کے ہفتے اور دن = ۳۰ - ۲

باقی دو ہفتے ۶ دن یعنی ۲۰ دن آٹھویں ماہ = ۲ باقی - ۶

یعنی ماہ اگست ۱۸۷۰ء کے [illegible]

بلحاظ تحقیق یوم ولادت درج بابائے اردو مرحوم صحیح ہے۔

(ج) حیات اقدس بابائے اردو مرحوم

یکم جنوری سنہ ۱ء تا یوم وفات کل مدت = ۳ دن — ۱۰۲۳۰۰ ہفتے

" " " تا یوم ولادت کل مدت = ۵ — ۹۷۵۵۲ ← منفی کریں

کل حیات مبارکہ ۵ — ۴۷۴۷ یا ۳۳۲۳۴ دن

(I) حیات شمسی حسابات میں :- ۵ دن — ۴۷۴۷ ہفتے

حل طلب مدت

۹۰ سالوں کے ہفتے اور دن = ۰ — ۴۶۹۶ ← منفی کریں

۵ — ۵۱

۱۱ شمسی ماہ کے " " = ۵ — ۴۷ ← منفی کریں

باقی ۲۸ دن بارھویں ماہ کے ہیں۔ ۰ — ۴ باقی

شمسی حسابات میں آپ نے ۹۰ سال ۔ ۱۱ ماہ اور ۲۸ دن بشمول یوم ولادت و وفات عمر مبارک پائی۔

II حیات قمری حسابات میں :-

حل طلب مدت = ۵ دن — ۴۷۴۷ ہفتے

۹۲ سالوں کے ہفتے اور دن = ۰ — ۴۷۰۸ ← منفی کریں

۵ — ۳۹

۹ قمری ماہ کے " " = ۰ — ۳۸ ← منفی کریں

باقی ایک ہفتہ ۵ دن یا ۱۲ دن = ۵ — ۱ باقی

دسویں ماہ کے ہیں قمری حسابات میں آپ نے ۹۲ سال ۹ ماہ اور ۱۲ دن بشمول یوم ولادت و یوم وفات عمر مبارک پائی۔

(د) سنہ ۱۵۸۲ء سے قبل زمانے میں تقویمی فارمولے کے تحت یوم ولادت و یوم وفات کی تاریخیں زمانہ حال کے مروجہ تقویمی حسابات سے مختلف ہیں۔ روشناسی فن تقویم کے پیش نظر قدیم فارمولے کے مطابق مختصر جائزہ عمل پیش خدمت ہے۔ تاریخ اور دن کے تعین کے لیے دو طریقے ہیں :-

اے = یکم جنوری سنہ ۱ء سے آغاز بلحاظ ہفتہ کے دن سے (بموجب فارمولا زمانہ قدیم)

بی = یکم جنوری سنہ ۱ء سے آغاز بلحاظ سوموار کے دن سے (بموجب فارمولا مروجہ زمانہ حال)

فارمولا زمانہ قدیم = سال باقی کے عدد + لیپ + سال رواں کے تا تاریخ مطلوبہ دن = مجموعہ ایام

———— ۷ = ———— ۷

عدد باقی کا شمار ہفتہ کے دن سے کریں۔ (دیکھو)

فارمولا زمانہ حال = عمل قاعدہ تقویم کے بعد عدد باقی کا شمار (سوموار) سے ہوتا ہے۔

ہر دو فارمولوں میں بلحاظ فرق گردش شمسی معیاری اہمیت دن کو برقرار رکھا گیا ہے۔ ماہ جولائی سنہ ۱۹۷۴ء کے شمارہ "قومی زبان" میں احقر نے ایک مضمون قارئین کرام کی خدمت میں لکھا تھا "تحقیق یوم ہجرت یا آغاز سن ہجری رائج الوقت" میں فارمولا قدیم (اے) کے مطابق آغاز سن عیسوی کا + شمار سوموار یکم جنوری سنہ ۱ء سے ثابت کیا ہے جو فرضی ہے اور بھی اس لیے کہ زمانہ حال کے فارمولا میں آغاز یکم جنوری سنہ ۱ء سوموار ہی ہوتا ہے ورنہ اصل فارمولا میں آغاز یکم جنوری سنہ ۱ء بروز ہفتہ سے ہوا تھا۔ فرق گردش شمسی معیاری معلوم کرنے کے لیے تا تاریخ مطلوبہ فارمولا "اے" اور فارمولا "بی" کے تحت مکمل ہفتے اور دن نکالیں۔ ہر دو میں فرق فرق گردش شمسی معیاری ہوگا جس میں ۲ دن (۲ جنوری و سنہ ۱ء) شامل ہوں گے مثلاً بابائے اردو مرحوم کی تاریخ ولادت ۲۰ اگست سنہ ۱۸۷۰ء ہے۔ فارمولا "اے" کے مطابق یکم جنوری سنہ ۱ء بروز ہفتہ سے ۹۷۵۵۴ ہفتے اور ۶ دن بمطابق ۲۰ اگست سنہ ۱۸۷۰ء ہیں اور بموجب فارمولا "بی" یکم جنوری سنہ ۱ء بروز سوموار سے ۹۷۵۵۲ ہفتے اور ۶ دن بمطابق ۲۰ اگست سنہ ۱۸۷۰ء ہیں ہر دو میں فرق ۲ ہفتوں یا ۱۴ دن کا نکلا۔ ہر دو طریقوں میں دن ہفتہ ہی کا تھا۔ فرق معیاری میں سے ② دن یکم و دو جنوری سنہ ۱ء کے کم کریں اور بقیہ ⑫ دن ۲۰ اگست سنہ ۱۸۷۰ء میں سے گھٹائیں تو پرانے فارمولا "اے" کے مطابق شمار بلحاظ ہفتہ کے ہوگا لہذا ۲۰ اگست سنہ ۱۸۷۰ء زمانہ حال بروز ہفتہ بمطابق ۸ اگست سنہ ۱۸۷۰ء فارمولا قدیم بروز ہفتہ تھی۔ اسی طرح تاریخ وفات بابائے اردو مرحوم تک عرصے میں فرق گردش شمسی معیاری کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

مثلاً: یکم جنوری سنہ ۱ء تا ۱۶ اگست سنہ ۱۹۶۱ء مدت ہفتوں اور دنوں میں = ۱۰۲۳۰۲ ہفتے — ۴ دن (فارمولا قدیم "اے")

〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 = ۱۰۲۳۰۰ — ۳ (فارمولا حال "بی")

فرق گردش شمسی معیاری = ۲ — ۱ باقی یا ۱۵ دن

فرق گردش معیاری ۱۵ دن ہے جس میں ② دن یکم و دو جنوری سنہ ۱ء شامل ہیں ۱۵ دنوں میں سے یہ دو دن کم کریں۔ فارمولا قدیم کی حاصل کردہ مدت سے ۱۳ دن منفی کریں ۱۰۲۳۰۲ ہفتے — ۴ دن منفی ۱ ہفتہ — ۶ دن تو باقی ۱۰۲۳۰۰ ہفتے — ۵ دن مدت رہ جائے گی۔ فارمولا قدیم میں باقی دنوں کا شمار ہفتے سے کریں تو پانچواں دن بدھوار کا ہوگا۔ لہذا ۱۶ اگست سنہ ۱۹۶۱ء بروز بدھوار زمانہ حال بمطابق ۳ اگست سنہ ۱۹۶۱ء بروز بدھوار بلحاظ فارمولا زمانہ قدیم تھی۔ حاصل مضمون میں یہ نکات عیاں ہوئے۔

① فرق گردش شمسی معیاری کی وجہ سے فارمولا "اے" تقویم زمانہ قدیم اور فارمولا "بی" تقویم زمانہ حال میں تاریخوں کا اختلاف لازمی رہے گا۔

(۲) ہر دو فارمولوں میں دن کی بدستور وہی قائم رہے گی ؟

(۳) فارمولا زمانہ حال کے تحت تا تاریخ مطلوبہ کی کل مدت ہفتوں اور دنوں میں ۲ دن (بلحاظ یکم و دو جنوری ۱ء) جمع کریں اور پھر مکمل ہفتوں سے زائد دنوں کا شمار ہفتہ کے دن (فارمولا قدیم ۱ے) سے کریں تو دن وہی استخراج ہوگا جو زمانہ حال کے فارمولے کے تحت ہوگا۔

مثلاً تقویم زمانہ حال کے تحت ۱۷ اگست ۱۹۶۱ء تک ۱۰۲۲۰۰ ہفتے اور ۳ دن گزرے تھے مکمل ہفتوں سے زائد (۳) دن ہیں لہذا دن بدھوار کا تھا اس میں ۲ دن بلحاظ فارمولا جمع کئے تو نامکمل ہفتہ کے ۵ دن ہوئے فارمولا قدیم کے مطابق ہفتہ کے دن سے شمار کریں تو دن بدھوار نکلا فرق گردش معیاری ۱۴ اگست ۱۹۶۱ء میں سے کم کئے تو تاریخ ۳ اگست ۱۹۶۱ء بروز بدھوار فارمولا قدیم کے تحت صحیح نکلی۔ شمسی تقویم کی صحت میں (۲) دن یکم جنوری ۲ جنوری ۱ء کے علاوہ ایام فرق گردش معیاری مخل ہیں۔ دانشمندان فرنگ نے اپنی تقویم کی درستگی کر لی۔ مگر قمری تقویم اس کے برعکس تشنہ پہلو رکھتی ہے۔ قمری تقویم کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ قدیم فارمولا والی شمسی تقویم کے تحت آغاز سن ہجری یکم محرم ۱ھ بروز جمعہ بمطابق ۱۶ جولائی ۶۲۲ء سے ہوا جب کہ یکم جنوری ۱ء سے ۳۲۴۲۱ ہفتے مکمل ہوئے تھے شمسی تقویم کی صحت کے بعد یعنی ۵ دنوں کے فرق معیاری کے بعد زمانہ حال کی تقویم میں مکمل ۳۲۴۲۱ ہفتے بمطابق ۱۱ جولائی ۶۲۲ء بروز ایت وار ہے شمسی تقویم بوجہ فارمولوں کے متنازعہ تھی اور انھوں نے دن کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے بجائے ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کے جمعہ کے ۱۹ جولائی ۶۲۲ء کا جمعہ تقرر کیا اور ۵ دن کے فرق گردش شمسی معیاری کو سیٹ کر لیا۔ ۱۶ جولائی ۶۲۲ء سے آغاز سن ہجری کا گر ہوا تھا تو شمسی تقویم میں یکم و ۲ جنوری ۱ء کے ۲ دنوں کے پیش نظر ۲ دن کم کیے گئے تھے مگر قمری تقویم میں اس کا اطلاق نامناسب ہے۔ قمری تقویم کے لئے جمعہ کے لحاظ سے جمعہ کی تقرری غلط ہے پس ۵ دن قمری تقویم میں ایڈوانس ہوں گے اور جمعہ کے عوض رائج الوقت شمسی تقویم کے مطابق ۱۱ جولائی ۶۲۲ء کا دن ایت وار بلحاظ آغاز سن ہجری ہوگا۔ مغربی حساب دانوں نے شمسی تقویم میں دن کی اہمیت کو برقرار رکھا تھا اور اسی اصول کو سن ہجری کے آغاز پر بھی لاگو رکھنے کی سعی کی ہے جو اصول فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ آغاز سن ہجری جمعہ کے دن سے مانیں تو یکم جنوری ۱ء سے مدت قبل سن ہجرت ۳۲۴۲۰ ہفتے ۴ دن بنتی ہے جو بمطابق ۱۰ جولائی ۶۲۲ء ہے اور اگر آغاز سن ہجری ایت وار کے دن مانیں تو یکم جنوری ۱ء سے قبل آغاز سن ہجری ۳۲۴۲۰ ہفتے ۶ دن بنتی ہے جو بمطابق ۲۰ جولائی ۶۲۲ء ہے فارمولا زمانہ حال کے مطابق ہے۔ موخر حساب میں احقر کے نزدیک چاند کی تاریخیں یا تاریخ رویت ہلال صحیح نکلتی ہے۔ تعجب بالائے تعجب کہ دو دنوں کے فرق سے زمانہ حال میں استخراج دن میں اور تاریخ میں فرق کیوں نہیں پڑتا ہے ۵ دنوں کے فرق معیاری کے تحت سن ہجری کے آغاز کو اتوار سے نہ اپنانا اصول سے ایک ضد کے مترادف ہے۔ اور مغربی حساب دانوں کی تقلید کے ماسوائے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اور مسلمان مورخین و محققین کی ریسرچ غلط ثابت ہوگی اور دنوں کے اختلافات سے ہماری تاریخی روایات غلط ہی نہیں بلکہ مسخ ہوں گی لہذا یہ کہنا کہ ۱۹ جولائی ۶۲۲ء سے آغاز سن ہجری جمعہ کے دن سے ہوا بجا نہیں ہے۔ ۱۹ جولائی ۶۲۲ء جمعہ کا دن مغربی حساب دانوں کا ہے جب کہ ان کے نزدیک ایک قمری سال ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ ۲۹.۴۲ تا ۴۴.۴۲ سیکنڈ تک ہے اور دو دنوں کے فرق سے ایک قمری سال ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ ۵۱.۶۷ تا ۱۰.۰۰ سیکنڈ تک ہے۔ موخر طریقہ میں علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے سن ہجری کا آغاز ایت وار کے دن سے لکھا ہے۔ قاعدہ "ابجز دبود" میں کسی مسلمان حسابدان نے آغاز سن ہجری کے ایت وار کے دن سے شروع ہونے کی صحت کی ہے "ابجز دبود" ۸ حروف پر مشتمل ہے اور آٹھ حروف کی ابجدی قیمت ایک ماہ سال کے بالترتیب یوم ہائے آغاز کو واضح کرنے کے مترادف ہے۔ مثلاً پہلے

سال کے لئے پہلا حرف "الف" ہے "الف" کی ابجدی قیمت ایک ہے ایک سے یک شنبہ (اتوار) کا دن آغاز سال ہے دوسرا سال اس کے بعد ہے اس کے لئے حرف "ہ" ہے "ہ" کی ابجدی قیمت ۵ ہے پانچ سے مراد پنجشنبہ (جمعرات) کا دن یعنی اگر پہلے سال کا آغاز ایت وار سے ہوا تھا تو دوسرے سال کا آغاز جمعرات سے تیسرے سال کا آغاز منگل وار سے ہوگا۔ موخر حساب کے مطابق ایک قمری دور صغیر کے بعد یعنی ہر آٹھ سال کے بعد نویں سال کا آغاز بدستور اسی دن سے ہوگا جس دن سے پہلے سال کا آغاز ہوا تھا۔ ۱۶ جولائی ۶۲۲ء بروز ایت وار سے آغاز سن ہجری مانا جائے تو تاریخی حوالہ جات کے مطابق ۱۷ رمضان ۲ھ بمطابق ۱۷ مارچ ۶۲۴ء کو جنگ بدر بروز جمعہ ہوئی تھی۔ ۱۰ھ میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خم غدیر پر خطاب فرمایا تھا ۱۸ ذی الحج ۱۰ھ بمطابق ۱۶ مارچ ۶۳۲ء بدھوار کا دن تھا بلحاظ شیعہ روایات کے سورج برج حمل میں طلوع ہو رہا تھا اور دن نوروز کا تھا عاشورہ محرم الحرام ۶۱ھ یوم شہادت امام حسین علیہ السلام بمطابق ۱۵ اکتوبر ۶۸۰ء جمعہ کا دن تھا۔ امید ہے کہ قارئین محترم اس مضمون سے کماحقہ مستفید ہوں گے۔ بابائے اردو مرحوم کے تذکرہ حیات میں شمسی و قمری کیلنڈروں کا مختصر تذکرہ پیش خدمت کرنے کی جسارت کی ہے۔ خاتمہ مضمون پر بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں رکھے اور ہمیں ان کے مشن کو کامیاب بنانے کی توفیق عطا کرے۔

آخر میں مختصر کوائف متعلقہ حیات مبارکہ بابائے اردو مرحوم درج ذیل ہیں۔

یوم ولادت بابائے اردو مرحوم

۸ اگست ۱۸۷۰ء بروز ہفتہ	بموجب تقویم قدیم شمسی منسوخ شدہ	(بلحاظ آغاز یکم جنوری ۱ء ہفتے سے)
۲۰ اگست ۱۸۷۰ء بروز ہفتہ	بموجب تقویم حال شمسی	(بلحاظ آغاز یکم جنوری ۱ء سوموار سے)
۲۲ جمادی الاول ۱۲۸۷ھ بروز ہفتہ		(بلحاظ آغاز یکم محرم ۱ھ ایت وار سے)

یوم وفات بابائے اردو مرحوم

۴ اگست ۱۹۶۱ء بروز بدھوار	بموجب تقویم قدیم شمسی منسوخ شدہ	(بلحاظ آغاز یکم جنوری ۱ء ہفتے سے)
۱۶ اگست ۱۹۶۱ء بروز بدھوار	" " حال شمسی	(بلحاظ آغاز یکم جنوری ۱ء سوموار سے)
۴ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ بروز بدھوار		(بلحاظ آغاز یکم محرم ۱ھ ایت وار سے)

عمر مبارک شمسی سالوں میں	۹۰ سال - ۱۱ ماہ - ۲۸ دن
عمر مبارک قمری سالوں میں	۹۳ سال - ۹ ماہ - ۱۲ دن
عمر مبارک ہفتوں اور دنوں میں	۴۷۴۷ ہفتے ۵ دن
عمر مبارک دنوں میں	۳۳۲۳۴ دن

ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مسدّس حالیؔ

تنویر کوثر

مولانا الطاف حسین حالیؔ نے سب سے پہلی قومی مسدس ۱۸۷۹ء میں لکھی تھی یہ مدوجزر اسلام کے نام سے مشہور ہوئی۔ اصحاب بصیرت نے اس مسدس کو پڑھا بے اختیارانہ ہوکر اس کی خوبیوں کی داد دی۔

البتہ وہ شعراء جو آئینہ خانوں میں بیٹھے ہوئے اپنی آہ رسا کو گیسوئے حور بنارہے تھے اور طور کی چوٹی پر کلیم اللہ کے قصے دہرا رہے تھے، اس مسدس کو دیکھ کر چونکے کہ ایشیائی شاعر عرب کی وادیوں میں نعرہ حق لگاتا پھر رہا ہے۔ جب اس نے "ایک آواز میں ساری بستی جگادی" تو انھیں بے حد ملال ہوا اور وہ از حد چیں بہ جبیں ہوئے۔ معاصرین نے نہایت کینہ ور لہجہ میں مسدس پر ریویو کئے اور اسے زہدِ خشک سے مثال دیکر منہ پھیر لیا۔ نصیحت کی باتیں تھیں، پند و دانش کی حکایتیں تھیں، بیداری کی تنبیہ تھی اور غفلت کی شکایت تھی۔ بھلا ہندوستان کے عیش پسندوں کو یہ مجازی "راگ کس طرح پسند آتا" طعنے دیے ہونے لگے۔ سر سید تو نثر میں لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے تھے مگر اس "شیر نیستانِ سخن" نے نظم میں صلائے عام دیکر لوگوں کو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنالیا۔

رفتہ رفتہ تکدر اور نفرت کے جذبات کم ہوئے، لوگوں نے اصل حقیقت پر اچھی طرح نظر ڈالی اور ایک خاص طبقے میں "مسدس حالیؔ" مقبول ہوگئی اس قدر دھاک بندھی کہ معاندین بھی منگوا منگوا کر پڑھنے لگے، خیالات میں عظیم انقلاب پیدا ہوا، پشتو اور ہندی زبانوں میں ترجمے ہونے لگے۔

مولانا حالی نے غالباً "مسدس" کہنے کے بعد کوئی عاشقانہ یا مجازی رنگ میں ڈوبی ہوئی غزل نہ کہی اور وہ سمجھ گئے کہ جو قوم گردابِ غفلت میں مبتلا ہے، طوفانِ جمود میں پھنسی ہوئی ہے وہ بلائے عشرت میں آلودہ ہے اس کے سامنے "زندہ دلی" کے فسانے اور ظرافت آمیز اشعار پڑھ کر اس کے جمود اور اس کی آرام طلبی میں مزید اضافہ کرنا ہے یہ خیال آیا ہی تھا کہ انھوں نے اپنے طرزِ قدیم پر فاتحہ خوانی کے لئے ہاتھ اٹھائے اور یارانِ ہم فن سے صاف کہہ دیا۔

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی — بزمِ شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دلِ زندہ تو نے ہم کو چھوڑا — ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

جس چیز نے حالیؔ کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کیا وہ چیز بلاشبہ "مسدس" ہے اس کتاب کو پڑھنے سے تاریخ اسلام کے واقعات اور اہل اسلام کا مدوجزر جس انداز سے آنکھوں کے سامنے گھومتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے کیونکہ "اسلامی تاریخ" کو نثر میں پڑھنے کا موقع جن لوگوں کو نصیب ہوچکا ہو، وہ اس "منظوم تاریخ اسلام" کو پڑھ کر عجیب قسم کی روحانی کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل رباعی ایک سچے مسلمان کے دل سے نکلی ہوئی "آہ" کا سا درجہ رکھتی ہے اور اگر کوئی اسی خلوص سے اس کا مطالعہ کرے جس جذبہ کے ہاتھوں مجبور ہوکر لکھی گئی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آغاز اسلام سے لیکر تباہیٔ بغداد تک کی تاریخی فلم دیکھ رہے فرماتے ہیں:-

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

دیکھنا یہ ہے کہ حالی کو جو ایک غزل گو اور قصائد نویس شاعر تھے اور بقول ان کے "شاعری کی بدولت چند روز جھوٹے عاشق بنے رہے تھے اور خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشتِ جنوں کی اس قدر خاک اڑائی تھی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا تھا" بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی کہ پرانی شاعری سے ان کا دل سیر ہو گیا۔ ان کو اس کارِ خیر کے لیے کس نے آمادہ کیا یہ ان ہی کی زبان سے سنیئے :-

"قوم کے ایک سچے خیر خواہ نے (جو اپنی قوم کے سوا تمام ملک میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے اور جس طرح اپنے پرزور ہاتھ اور قوی بازو سے بھائیوں کی خدمت کر رہا ہے۔ اسی طرح ہر ایا ہج اور نکمے کو اسی کام میں لگانا چاہتا ہے) آکر ملامت کی کہ حیوانِ ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے ؎

ور جمادی لافِ انسانی مزن ور چو انسان لب بجنبان در دہن

قوم کی حالت تباہ ہے، عزیز ذلیل ہو گئے ہیں۔ شرفا خاک میں مل گئے ہیں۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ہے دین کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے، پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے، اخلاق بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں۔ تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے، جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے، امراء جو قوم کو بہت فائدہ پہنچا سکتے تھے غافل اور بے پروا ہیں، علماء جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے، زمانہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں۔ ایسے میں جس سے جو کچھ بن آئے تو بہتر ہے، ورنہ ہم سب ایک ہی ناؤ میں سوار ہیں اور ساری ناؤ کی سلامتی میں ہماری سلامتی ہے۔ ہر چند لوگ بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ مگر نظم جو کہ بالطبع سب کو مرغوب ہے اور خاص کر عرب کا ترکہ اور مسلمانوں کا موروثی حصہ ہے قوم کے بیدار کرنے کے لئے اب تک کسی نے نہیں لکھی، اگرچہ ظاہر ہے کہ اور تدبیروں سے کیا ہوا جو اس تدبیر سے ہو گا مگر ایسی تنگ حالتوں میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیال گزرتے رہے ہیں ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہئے، پہلے خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ نہ ہوا اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے۔

در فیض است منشین از کشائش ناامید این جا۔
برنگِ دانہ از ہر قفل می روید کلید این جا۔

ہر چند اس حکم کی بجا آوری مشکل تھی اور خدمت کا بوجھ اٹھانا دشوار تھا، مگر ناصح کی جادو بھری تقریر جی میں گھر کر گئی دل سے ہی نکلی تھی دل میں جا کر ٹھہری، برسوں کی بجھی ہوئی طبیعت میں ایک ولولہ پیدا ہوا اور باسی کڑھی میں ابال آیا، افسردہ دل بوسیدہ دماغ جو امراض کے متواتر حملوں سے کسی کام کے نہ رہے تھے انھیں سے کام لینا شروع کیا اور ایک مسدس کی بنیاد ڈالی۔ دنیا کی مکروہات سے فرصت بہت کم ملی اور بیماریوں کے ہجوم سے اطمینان کبھی نصیب نہ ہوا مگر ہر حال میں یہ دھن لگی رہی۔ بارے الحمدللہ کہ بہت سی دقتوں کے ایک بعد ایک ٹوٹی پھوٹی نظم اس عاجز بندے کی بساط کے موافق تیار ہو گئی اور ناصح مشفق سے شرمندہ نہ ہونا پڑا صرف ایک امید کے سہارے پر یہ دور دراز طے کی گئی ہے ورنہ منزل کا نشان نہ اب تک ملا ہے اور نہ آئندہ ملنے کی توقع ہے ؎

ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید" ما نہ دانیم کہ منزل گہ مقصود کجاست

ان تمام جذبات اور خیالات کے باوجود ہمت کرتے ہیں اور مختلف قصے اور کہانیوں کا سہارا لیتے ہوئے تمثیلی انداز میں بتاتے ہیں کہ

دراصل ہماری قوم اس لئے بے راہ ہو گئی ہے کہ راستہ دکھانے والوں کی نصیحتوں پر عمل نہیں کرتی۔ اس قوم کا حال اس بیمار کا سا ہے جس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ طبیعت کی تشخیص کی طرف توجہ نہیں دینی ہے اور پرہیز سے جی چرانا ہے ظاہر ہے ایسے مریض کے تندرست ہونے کی کیا آس لگائی جا سکتی ہے بعینہٖ یہی عالم اس وقت ہماری قوم کا ہے جانتی ہے کہ ڈوب جائے گی، دیکھ رہی ہے کہ جہاز بھنور میں پھنسا ہے، ادبار کی گھٹا، فلاکت کا سماں پیش پیش نحوست چھائی ہے مگر یہ قوم ہے کہ غفلت اور تنزل پر قناعت کئے ہوئے ہے نہ اپنی ذلت کا غم ہے نہ باعزت قوموں پر رشک آتا ہے، اگر ذرا سی ہمت کریں تو خداوندِ عالم نے اس کو "دینِ اسلام" کی اس دولت سے نوازا ہے کہ یہی قوم مجسم کرامات بن سکتی ہے مثلاً:-

وہ دین جس نے اعدا کو اخوان بنایا   وحوش اور بہائم کو انسان بنایا

درندوں کو غمخوارِ دوران بنایا   گڈریوں کو عالم کا سلطان بنایا

وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلہ

گراں کر دیا اس کا عالم سے پلہ

اسی دین نے تو عرب جیسی وحشی اور جاہل قوم کو دنیا کے لئے نمونہ بنا دیا تھا، یہ صحیح ہے کہ یہ نسخۂ کیمیا بتانے والے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں مگر ان کی وہ تعلیم و توحید" ابھی تک لفظ بلفظ باقی ہے اگر ہم لوگ چاہیں تو آج بھی اس تعلیم سے وہی فیض حاصل کر سکتے ہیں جو عربوں جیسی بگڑی ہوئی قوم نے کیا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی تھی اس کو حالی کی شاعرانہ زبان نے ایک نیا رنگ دیکر پیش کیا ہے۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق   زبان اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق   اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ

جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

توحید کی تعلیم کے بعد پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں، تعلیم معاش دیتے ہیں، وقت کی قدر و قیمت بتاتے ہیں۔ علم کی اہمیت جتلاتے ہیں، بنی نوعِ انسان کو باہم ہمدردی کا سبق پڑھاتے ہیں، تعصب کی آگ سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، پرہیزگاری کا درس دیتے ہیں، خون پسینہ ایک کر کے محنت سے کمانے کی تنبیہہ کرتے ہیں، امیروں کو دوسروں کے کام آنے کی نصیحت کرتے ہیں، اخلاق، تمدن اور تربیت کی صفات بیان کرتے ہیں مقصد یہ ہے کہ کاش مسلمان ایک ایسی قوم بن جائے جس کی مثالیں کم ملتی ہوں:-

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت   ادا کر چکی فرض اپنا رسالت

رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت   نبی نے کیا خلق سے قصدِ رحلت

تو اسلام کی وارث ایک قوم چھوڑی

کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

بظاہر مولانا حالی یہی لکھ رہے ہیں کہ آپ ایک قوم نمونہ کے طور پر چھوڑ گئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اس قوم کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ تم ہی وہ قوم ہو جن کے آباؤ اجداد اسلام کے "حکمبردار" بندے تھے، "اسلامیوں" کے مددگار تھے، خدا اور نبی کے وفادار تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کے غمخوار تھے، کفر و باطل سے بیزار تھے "مئے حق" کے نشے میں سرشار تھے اور حق کے ساتھ اس قدر لو لگائے ہوئے تھے کہ ان کے

اختلافات بھی حق و اخلاص پر مبنی تھے۔

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی　　فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی　　شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

سادگی ان لوگوں کا شعار تھا، نہ کھانے میں تکلف نہ پہناوے میں زیب و زینت، حتیٰ کہ امیر و لشکر ایک جیسے حلئے میں نظر آتے تھے۔ خلیفہ رعایا کے ایسے نگہبان تھے جیسے چوپایہ اپنے گلے کا نگہبان ہوتا ہے۔ ذمی و مسلم کے یکساں حقوق تھے، اکفایت، سنادت، دشمنی و دوستی الفت و نفرت سب حکم حق کے تابع تھیں، جس وقت عرب میں ایک ایسی "نگہبانِ حق" قوم تیار ہو رہی تھی، تمام دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، عبرانیوں، نصرانیوں یونانیوں، ساسانیوں اور اہل ایران کی حکومتوں کے چراغ ٹمٹما رہے تھے۔ ہند میں ہر طرف اندھیرا تھا۔ نوع انسان کا بیڑا تباہی کے بھنور میں گھرا تھا۔ جتنی تہذیب یافتہ قومیں آج اپنی تہذیب و تمدن پر نازاں ہیں ان سب نے عقل و دانش اور ترقی کے طریقے ان ہی "حق کے نگہبانوں" سے دیکھے تھے

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا　　ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا　　ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آوازِ حق حق

نتیجہ یہ ہوا کہ برے بھی نیکیاں اختیار کرنے لگے، کافروں میں کھلبلی پڑ گئی۔ آتشکدے ٹھنڈے پڑ گئے، معبدوں میں خاک اڑنے لگی، صنم گھر اجڑ کر خانۂ کعبہ آباد ہو گیا۔ سب قوموں نے جہالت کو خدا حافظ کہہ دیا اور کسب اخلاق و ادب میں مشغول ہو گئیں علم و فن سیکھ کر ہر گھر میں اجالا کر دیا اور علم کی طلب میں اس قدر مشغول ہوئے۔

ہر اک میکدہ سے بھرا جا کے ساغر　　ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثلِ پروانہ ہر روشنی پر　　گرہ میں لیا باندھ حکم پیمبر

کہ "حکمت کو اک گمشدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو"

لہٰذا مسلمان علم و فن کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور تمام دنیا پر چھا گئے، تعمیر بلاد میں اس قدر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ کوئی کونا ایسا نہیں جہاں ان کی عمارات کے نشانات یا کھنڈرات باقی نہ ہوں، سیر و سیاحت ان کا مشغلہ تھا، اندلس و بغداد مرکز خلافت کے ساتھ ساتھ مرکز علم و فن بھی تھے۔ لقمان، سقراط، بقراط، ارسطو اور افلاطون کے افکار کو انہیں مرکزوں نے نئی زندگی بخشی، علم ہیئت، علم تاریخ اور علم طب سب اہل عرب کے فیض سے زندہ ہوئے اور ہر قوم نے عربی زبان کی فصاحت کا اعتراف کیا اور ہر ایک نے ان لوگوں سے فیض حاصل کرنا فخر سمجھا مگر دستور دنیا کے مطابق ہر عروج کو زوال ہے چنانچہ تنزلِ اہل اسلام شروع ہوا۔

نہ ثروت رہی ان کی قائم نہ عزت　　گئے چھوڑ ساتھ ان کا اقبال و دولت

ہوئے علم و فن ان سے ایک ایک رخصت　　مٹیں خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت
رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

بعد ازیں مولانا حالی نے ایک طویل طویل بحث کی ہے کہ قومیں کیونکر عروج حاصل کرتی ہیں، کس طرح زوال پذیر ہوتی ہیں پھر اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں جس نے اہل اسلام کو تسلط بخشا تھا۔ بلاشبہ یہ خلفائے راشدین کی انصاف پسندی تھی کہ وہ ایک ناقابلِ فراموش اور بے مثال دور کی یاد چھوڑ گئے۔

وہ عہد ہمایوں جو خیر القرون تھا　　خلافت کا جب تک کہ قائم ستون تھا
نبوت کا سایہ ابھی رہنمون تھا　　سماں خیر و برکت کا ہر دم فزون تھا
عدالت کے زیور سے تھے سب مزیّن
پھلا اور پھولا تھا احمد کا گلشن

سعادت بڑی اس زمانے کی تھی　　کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی
نہ کرتے تھے خود قولِ حق سے خموشی　　نہ لگتی تھی حق کی انھیں بات کڑوی
غلاموں سے ہوجاتے تھے بند آقا
خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

بنی نے کہا تھا انھیں فخر امت　　جنھیں خلد کی مل چکی تھی بشارت
مسلّم تھی عالم میں جن کی عدالت　　رہا مفتخر جن سے تخت خلافت
وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے در در
کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سن کر

اس کے بعد قوم کی موجودہ حالت کا نقشہ ایک درد انگیز انداز میں کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ جو قومیں آج سرفراز ہیں وہ بلاوجہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ نظم و ضبط کی پابند ہیں اپنا اچھا برا سوچنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ خلق اللہ کے ساتھ محبت کر کے ان کی ہمدردیاں حاصل کئے ہوئے ہیں

عروج ان کا جو تم عیاں دیکھتے ہو　　جہاں میں انھیں کامران دیکھتے ہو
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو　　انھیں برتر از آسمان دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں ان کی جواں مردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

اس کے برعکس ہمارا یہ عالم ہے کہ دین اسلام کی حالت دگرگوں ہے، علمائے دین اور اہل اللہ کا قحط پڑا ہے، مدعیان علم و مدعیان درویشی گمراہ ہو چکے ہیں۔ نہ تو راہ طریقت سے متعلق کوئی سوجھ بوجھ ہے نہ شریعت کی خبر ہے۔ مگر خود پسندی میں حد سے بڑھ گئے ہیں، تعصب میں

ان کا کوئی ثانی نہیں ہے حالانکہ جس دین کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ الفت کی بنیاد ڈالنے والا، دنیا کو نفرت سے خالی کرنے والا۔ غیروں کو دوست بنانے والا، عرب، حبش، ترک، تاجیک اور دیلم کو شیر و شکر کرنے والا تھا:۔

تعصب نے اس صاف چشمہ کو آکر　　کیا بغض کے خار و خس سے مکدّر
بنے خصم جو تھے عزیز و برادر　　نفاق اہلِ قبلہ میں پھیلا سراسر
نہیں دستیاب ایسے اب دس مسلمان
کہ ہو ایک کو دیکھ کر ایک شادان

حالانکہ اہلِ اسلام کا فرض یہ تھا کہ ایک دوسرے کے دوست ہوتے، مصیبت میں دوستوں کے غمخوار اور مددگار ہوتے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یاد رکھتے کہ "ہیں سب مسلمان باہم برادر" تو ان پر کبھی تباہی نہ آتی اور فقیری میں بھی بادشاہی کرتے اور اتفاق کی برکتوں سے لطف اندوز ہوتے، لیکن ہوا کہ اہلِ اسلام کے اخلاق بگڑ گئے، غیبت۔ حسد و تکبر کو اپنا شعار بنا لیا اور بھائی کی تباہی پر بھائی خوش ہونے لگا۔ کور باطنی اس انتہا تک پہنچی کہ:۔

اگر اک جواں مرد ہمدرد انسان　　کرے قوم پر دل سے جان اپنی قربان
تو خود قوم اس پر لگائے یہ بہتان　　کہ ہے اس کی کوئی غرض اس میں پنہاں
وگرنہ پڑی کیا کسی کو کسی کی
یہ چالیں سراسر ہیں خود مطلبی کی

قوم کی یہ حالت دیکھ کر مولانا حالیؔ خون کے آنسو روتے ہیں۔ نوجوانوں کی حالت پر کڑھتے ہیں، امیروں سے مایوس ہیں، غنیوں سے بے نیاز ہیں، مگر امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ان لوگوں کو دیکھ کر اظہارِ اطمینان کرتے ہیں جنھیں اپنی حالت کا احساس ہو چلا ہے اور راہِ راست پر آنے لگے ہیں، انھیں دیکھ کر ہمت بڑھتی ہے جو تھوڑی بہت غیرت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو خود شناسی کے فائدے بتلاتے ہیں، کوشش و محنت کا درس دیتے ہیں۔ کاہلی کے نقصانات بتاتے ہیں، اسلاف کے کارنامے بیان کرتے ہوئے علم کی فضیلت و قوت اور اپنی مدد آپ کی اہمیت پر زور دیتے ہیں اور ترقی کرنے کے راز افشاں کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں جا پہنچتے ہیں اور عاجزانہ التماس کرتے ہیں کہ خداوندا میرے مسلمان بھائیوں کو:۔

انھیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے　　ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دے
کہیں کاو بازی دوران دکھا دے　　جو ہونا ہے کل آج ان کو دکھا دے
جھٹیں پاٹ لیں تا کہ باران سے پہلے
سفینہ بنا رکھیں طوفاں سے پہلے

آخر میں مولانا حالیؔ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو "عرضِ حال" کیا ہے اس کا ایک ایک لفظ داد دینے کے قابل ہے کیونکہ یہ ایک مومن کے دل کی پکار ہے، فرماتے ہیں کہ آپ جو امانت اپنی امت کو سونپ کر گئے تھے اس کی حفاظت امت کے بس کی بات نہیں رہی لہٰذا خلوصِ دل سے فریاد کرتے ہیں:۔

کلام یکتا دہلوی

(قسط سوم)

پروفیسر محمد مسعود احمد

(۴۰)

کسی کی پھر ادا یاد آرہی ہے
دل بیتاب کو تڑپا رہی ہے

محبت رنگ اپنا لا رہی ہے
کہ آنسو خون کے رُلوا رہی ہے

یہ برسے یا نہ اب آنکھوں سے برسے
گھٹا تو غم کی دل پر چھا رہی ہے

کسی کی بے وفائی کا گلہ کیا
وفا دنیا سے اٹھتی جا رہی ہے

تھکے ہارے مسافر ہیں، نہ چھیڑو
نکیرین! اب ہمیں نیند آرہی ہے

خزاں جائے، بہار آئے، مجھے کیا
مرے دل کی کلی مرجھا رہی ہے

خدائی جس کے قدموں پر ہو صدقے
تصور میں وہ صورت آرہی ہے

جہاں دل اپنا ٹھکرایا گیا تھا
محبت پھر وہیں لے جا رہی ہے

بلا کا حسن ہے، اس پر جوانی
قیامت پر قیامت ڈھا رہی ہے

وفاؤں کو مری روئے گی دنیا
گھڑی وہ آرہی ہے، آرہی ہے

نہیں ہے ساتھ کوئی رونے والا
یہ کس عاشق کی میت جا رہی ہے

ہم اس جینے پہ اپنے رو رہے ہیں
تمھیں آخر ہنسی کیوں آرہی ہے؟

الٰہی یہ بہار آئی ہے کیسی
اداسی ہر چمن پر چھا رہی ہے

چرایا ہی نہیں جب دل کسی کا
تمھاری آنکھ کیوں شرما رہی ہے

بتاؤں حضرت ناصح تمھیں کیا
طبیعت میری کیوں گھبرا رہی ہے

وہ کیا انسان جو یہ بھی نہ سمجھے
کہ دنیا کس طرف کو جا رہی ہے

مجھے تو موت بھی بھول ہوئی تھی
یہ کیوں ہچکی پہ ہچکی آرہی ہے!

تجھے کچھ اپنی سدھ بدھ بھی ہے یکتا
اجل سر پر ترے منڈلا رہی ہے

(۴۱)

نگہ ناز تری مجھ سے حیا کرتی ہے — غیر کی آنکھ سے بیباک لڑا کرتی ہے
چھیڑ زلفوں سے تری بادِ صبا کرتی ہے — اور الجھن سی مرے دل میں ہوا کرتی ہے
چٹکیاں دل میں تری یاد لیا کرتی ہے — جیسے ایک پھانس کھٹکتی ہے، چبھا کرتی ہے
میرے نالوں کو نہ دے صورِ قیامت کا خطاب — تیری رفتار بھی تو حشر بپا کرتی ہے
کام بن کر مرے دم بھر میں بگڑ جاتے ہیں — میری تدبیر سے تقدیر لڑا کرتی ہے
اس کا پیکان ہے یا میری تمنا یا رب! — سانس کے ساتھ کھٹک دل میں ہوا کرتی ہے
آپ کی چرخ کی دشمن کی نہیں کچھ تقصیر — ہم کو بدنام ہماری ہی وفا کرتی ہے
ہو گیا روز کے صدموں سے کچھ ایسا نازک — بات کی چوٹ بھی اب دل پہ لگا کرتی ہے
وہ تصور میں بھی اب کھنچے ہوئے آتے ہیں — ان کی تصویر بھی فرقت میں کھنچا کرتی ہے
عشق میں مرنے کو کہتے ہیں حیاتِ جاوید — موت بھی عشق پہ قربان ہوا کرتی ہے
یہ پیشانی تو اے رشکِ قمر ماہ جبیں! — ایک ہی نقشِ کفِ پا پہ جھکا کرتی ہے
تیرے ہاتھوں کی بنائی ہوئی یا رب تصویر! — دیکھ تو خاک میں کس طرح ملا کرتی ہے
تو ہے عشقِ حقیقی کی حقیقت کو نہ پوچھ — شیشۂ دل میں پری بن کے رہا کرتی ہے

روئے گا تیری وفاؤں کو زمانہ یکتاؔ
اب تو دنیا ترے رونے پہ ہنسا کرتی ہے

(۴۲)

ستم سہنے کے اب قابل نہیں ہے — وہ پہلا سا ہمارا دل نہیں ہے
رہی دنیا وہی دنیا کے جھگڑے — وہی میں ہوں، مگر وہ دل نہیں ہے
وفا ہے عشق ہے اور طلب ہے — ہمارا دل تمہارا دل نہیں ہے
کسے دیں اور کس امید پر دیں — کوئی اب قدردانِ دل نہیں ہے
اسے اپنا ہی سمجھیں شوق سے آپ — ہمارا دل، ہمارا دل نہیں ہے
نگاہِ دلربا کی کیا ہے تقصیر — مرے کہنے میں میرا دل نہیں ہے
نہ تم جس میں سمائے آنکھ وہ کیا! — نہ ہو جس دل میں تم وہ دل نہیں ہے
مرے پہلو میں تھا جب آئے تھے تم — مگر اب دیکھتا ہوں دل نہیں ہے
طپش بے خواب ہے داغِ ستم ہے — مرے دل کی جگہ اب دل نہیں ہے

بغیر اس دلربا کے آج یکتاؔ

(۴۳)

مرا منہ خلد کے قابل نہیں ہے
تری رحمت سے کچھ مشکل نہیں ہے

تمھارا عشق اس صحرا میں لایا
جہاں کوسوں کہیں منزل نہیں ہے

مسل کر دل کو وہ چٹکی سے بولے
یہ گل تو عطر کے قابل نہیں ہے

مجھے فرقت میں مرنا بھی ہے مشکل
جو چاہو وصل تم، مشکل نہیں ہے

اسی کی موت ہے، جینا اسی کا
جو تیری یاد سے غافل نہیں ہے

جو تم چاہو تو ہم بھی تم کو چاہیں
یہ مشکل ہے، مگر مشکل نہیں ہے

فلک سے لاؤ تارے اور یکتاؔ
زمین شعر کچھ مشکل نہیں ہے

(۴۴)

وہ فرماتے ہیں "ہم کو نام تیرا یاد رہتا ہے
مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ارشاد رہتا ہے

تمھارا نام سوتے میں بھی ہم کو یاد رہتا ہے
تمھاری یاد میں غافل دل ناشاد رہتا ہے

تعلق ماسوا سے قطع ہو کر یاد ہے ان کی
ہمارا دل اجڑ کر، بھر بھی آباد رہتا ہے

مرے پہلو میں مضطر جو دل ناشاد رہتا تھا
کسی کے دل میں اب وہ خانماں برباد رہتا ہے

محبت ایک ہی شے ہے مگر اس کے اثر دو ہیں
کوئی ناشاد رہتا ہے تو کوئی شاد رہتا ہے

نکل کر اڑ کے بچ کر اس کے پھندے سے کہاں جائیں
ہماری تاک میں آٹھوں پہر صیاد رہتا ہے

تمھارا ذکر رہتا ہے تمھاری یاد رہتی ہے
خدا آباد رکھے دل کو، یہ آباد رہتا ہے

نیاز عشق ہے، نذر دل کو تو نہ ٹھکراؤ
یہ ایسا صدمہ ہے جو مرتے دم تک یاد رہتا ہے

مجھے وہ ڈھونڈنے نکلے ہیں یہ کہتے جاتے ہیں
"خدا جانے کہاں وہ خانماں برباد رہتا ہے"

بشر کی پائی ہے صورت مگر سیرت فرشتوں کی
ترا ناشاد یکتاؔ دکھ میں سکھ میں شاد رہتا ہے

(۴۵)

"کہے گا اس زباں سے تو ستم کی داستاں میری!"
قیامت میں یہ کہہ کر کھینچ لی اس نے زباں میری

چلو خاموش ہو جاؤ نہ کھلواؤ زباں میری
تڑپ اٹھتا ہے سن کر سنگدل بھی داستاں میری

کہاں سے کھینچ لے آئی ہے قسمت تو کہاں میری
بنے گی کس زمیں پر قبر اب اے آسماں میری

کہانی لیلیٰ و مجنوں کی دنیا کہتی سنتی ہے
کبھی میری زباں سے بھی سنو تم داستاں میری

وہ راتیں آگئیں میں اپنی قسمت پر ہوں خود نالاں
وہ دن بھی تھے چمن میں بلبلیں تھیں مدح خواں میری

سمجھتے تھے جو خود کو شیر افگن، پیل تن، ان کو
کبھی چونکا دیا کرتی تھیں ہاں انگڑائیاں میری

وہی ہیں دست و بازو آہ! پابند سلاسل ہیں
کہاں نار دق و خالہ جو بڑھائیں بیڑیاں میری

زباں داں راس آیا مجھ کو گنگا اور جمنا کا
خدا کی شان آگرنا ڈبی ڈوبی کہاں میری

قیامت میں زمانہ جان لے گا آپ کا عاشق
اب اس سے زیادہ ہوں گی اور کیا رسوائیاں میری

یونہی آتے رہے جھونکے اگر باد مخالف کے
مجھے ڈر ہے پنپ جائے نہ شاخ آشیاں میری

صنم خانوں سے پھر آئے صدا اللہ اکبر کی
مسلماں متفق ہو کر اگر سن لیں اذاں میری

شرف ہی آستاں بوسی کا حاصل ہو تو پھر پایا
رہوں دربار میں حاضر یہ قسمت تو کہاں میری

یہ وقت آیا کہ ہوں مصداق صُمٌّ بُکمٌ "عُمیٌ" کا
مقید ہے مرے بتیس دانتوں میں زباں میری

مرے پس ماندگاں کی گر یہی حالت رہی یکتا
لحد کس کی، کفن کیسا، اڑیں گی دھجیاں میری

(۴۶)

ہوا ہے آپ کے حسن و شباب کے صدقے
نہ جاؤں کیوں دل خانہ خراب کے صدقے

وہ بخشواتے ہیں امت کے بے شمار گناہ
حضور کے کرم بے حساب کے صدقے

پلائی آنکھوں سے ساقی نے وہ مے عرفاں
ہوئی ہے عقل و خرد اس شراب کے صدقے

عجیب نشہ تھا، نیکی بدی کا ہوش نہ تھا
ہزار جام شراب اک شباب کے صدقے

جو پوچھا "قتل کرو گے؟" کہا "بلا جانے"
مرا سوال کسی کے جواب کے صدقے

کچھ اس پیار سے دشمن پہ وہ ہوا ہے خفا
ہزار لطف و کرم اس عتاب کے صدقے

شب وصال بھی اٹھتی نہیں حیا سے آنکھ
تمھاری شرم تمھارے حجاب کے صدقے

بنا دیا ہے بیابان عشق کو جنت
بہار حسن و بہار شباب کے صدقے

ان آنسوؤں نے کیا کام آپ رحمت کا
گناہ دھو دیے، چشم پُر آب کے صدقے

خدا کے واسطے ہو امتیاز عشق و ہوس
میں آپ کی نگہ انتخاب کے صدقے

ملا جو عرش بریں پر خدا سے اے یکتا
اس آفتاب رسالت مآب کے صدقے

(۴۷)

میسر آپ کا دیدار ہے، حوریں ہیں، جنت ہے
ہوا معلوم بعد حشر، یہ انجام الفت ہے

کوئی حوروں پہ مرتا ہے کوئی شیدائے جنت ہے
طلب ہے یہ بقدر ظرف، ہم کو تیری حاجت ہے

تمنا ہے مدینے کا چمن ہو آب زمزم ہو
یہی اہل بصیرت کے لیے کوثر ہے جنت ہے

ہماری رہبری کو چاہیے ہم سا ہی دیوانہ
جناب خضر سے کہہ دو کہ یہ دشت محبت ہے

کہے اب کون یہ شرمیلی آنکھیں دیکھ کر ظالم
کہ ان میں تیر ہے جادو ہے شوخی ہے شرارت ہے

سوال وصل پر پہلے بگڑنا، کوسنے دینا
ادا سے دیکھ کر پھر مسکرا دینا قیامت ہے

زباں پر شکر ہو، سجدے میں سر ہو، دل ہتیلی پر
یہی ہے عشق کا مذہب، یہی شرط محبت ہے

کروں عرض نیاز عشق کیا، کیا نذر دوں ان کو
نہ اب پہلو میں وہ دل ہے، نہ دل میں کوئی حسرت ہے

گلا ہے خشک، عالم نزع کا ہے، وقت ہے نازک
چھری خود پھیریوں میں گر تمھیں عذر نزاکت ہے

کوئی ہو محو نظارہ، کوئی دیدار کو ترسے
گلہ بے سود، لاحاصل ہے، اپنی اپنی قسمت ہے

"جوانی پر نہ تم اتراؤ اتنا" ہم نہ کہتے تھے
بہار حسن ہے اب وہ، نہ وہ پہلی سی صورت ہے

قیامت تک دیے جائیں گے طعنے بیوفائی کے
ہمیں مرنا بھی مشکل ہے ہمیں جینا مصیبت ہے

نہیں دم مارنے کی جا، کوئی تو مصلحت ہوگی
جفائیں اور ارباب وفا پر! جائے حیرت ہے

نکل جائیں کہاں ترک تعلق کرکے دنیا سے؟
شرافت ہی نہیں قدر، آج کل پیسے کی عزت ہے

دفا کے نام کی جڑ ہے، محبت سے انھیں نفرت
اب ان سے کون پوچھے "یہ کہاں کی رسم الفت ہے"؟

کیا دامن پکڑ کر بیکسی نے رو کے حیرت سے
"شہید ناز کی اے بیوفا یہ ہی تو تربت ہے"!

پڑی ہیں بے کفن لاشیں شہیدان محبت کی
مآل عاشقی ہے یہ، یہ انجام محبت ہے

فرشتے تک تو ایسی زندگی پر رشک کرتے ہیں
خدا کی اس پہ رحمت ہو جسے آزار الفت ہے

مئے ناب سخن جس کو پلا دی ہوگیا بے خود
جناب حضرت بے خود کی یہ ادنیٰ کرامت ہے

ارے نادان، یہ منہ اور اس کے عشق کا دعویٰ
جو ہے بے مثل، جس کی ہر ادا یکتا قیامت ہے

(۴۸)

زمزم کی ہے صراحی بغل میں دبی ہوئی لہ
بجھتی نہیں، وہ آگ ہے دل میں لگی ہوئی

لہ مقطع کے مصرعۂ اولیٰ کے متعلق حضرت یکتاؔ اپنی صاحب زادی جناب شاہ جہاں بیگم فیضیؔ کو تحریر فرماتے ہیں :-

" اس مصرعہ کو سن کر استاد صاحب فرمانے لگے کہ میں لکھتا تو اور طرح لکھتا۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے اس طرح لکھا تھا "بوتل شراب کی ہے بغل میں دبی ہوئی" مگر شوق زیارت مکہ معظمہ دل میں چٹکیاں لے رہا ہے تو اپنے تصور میں حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہونے کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت دل کو گدگدا رہی ہے، ان جذبات کی ترجمانی اس مطلع سے ملاحظہ ہو۔ اب شاید تم کو بھی زیادہ لطف آئے گا۔

دل تو گیا تھا، جان بھی آئی گئی ہوئی / عشق اس کا کیا مذاق ہوا، دل لگی ہوئی

دامان صبر چاک ہو، دل صدقے، جاں نثار / تصویر حسن ایسی ہے دل کش کھنچی ہوئی

لکھتے ہیں خوف دل سے اب افسانے حسن کے / ہے داستانِ عشق تو ان کی سنی ہوئی

کیا آنکھ تھی، اشارے سے دل ٹکڑے کر دیا / گویا چھری تھی زہر میں کوئی بجھی ہوئی

مر مر کے جلا کے ٹھوکروں سے کہہ رہے ہیں وہ / "ہے حشر تو کہاں ہے قیامت چھپی ہوئی؟"

آ کر یہاں وہ دیکھ لیں برسات کی بہار / آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی ہے لگی ہوئی

اس کو خوشی بہار کی کیا، غم خزاں کا کیا / ہو جس فسردہ دل کی طبیعت بجھی ہوئی

میں بیوفا ہوں، غیر ہیں عاشق، وفاشعار / لو میں نے ہار مان لی، جیت آپ کی ہوئی

پیری میں بھی ہرن نہ ہوا نشۂ شباب / اب تک وہی دماغ میں ہے بو بسی ہوئی

ہوگا، شرف نصیب جبیں سائی کا ضرور / ہیں اس کے آستاں سے نگاہیں لڑی ہوئی

آئی تھی جان آپ کی صورت کو دیکھ کر / پرواز روح کر گئی، اتنی خوشی ہوئی

دن عمر کے گزر گئے امید و بیم میں / مر مر کے آہ ختم یونہی زندگی ہوئی

اس فکر میں بلند اڑا طائرِ خیال / استاد یہ نہ کہہ دیں غزل پھیکی ہوئی

دل ہے ترا علائق دنیا میں منہمک / ہے موت تیری گھات میں یکتاؔ لگی ہوئی

(۴۹)

پیدا ہوئے ہیں ہم بھی اس آفت کے واسطے / دل چاہیئے تمہاری محبت کے واسطے

انسان ہوا ہے خلق مصیبت کے واسطے / موزوں یہی تھا عشق کی دولت کے واسطے

کیا یہ ہے وقت شکوہ شکایت کے واسطے؛ / تم نے لڑنے آتے ہو کہ عبادت کے واسطے؟

دل کے ہوں ٹکڑے سر ہو قلم، لاش پائمال / آیا ہوں تیرے در پہ شہادت کے واسطے

جانے کا تم نے نام لیا، آئی مجھ کو موت / اس سے تو تم نہ آتے عبادت کے واسطے

باسی، عدو کے سونگھے ہوئے، رات بھر کے پھول / یہ کانٹے لائے ہو، مری تربت کے واسطے؟

دل کو مٹا کے داغ محبت لیا ہے مول / لیجاؤں گا، یہ تحفہ میں جنت کے واسطے

امید و یاس کے وہ تماشے نظر میں ہیں / تڑپوں نہ کس لیے شب فرقت کے واسطے

خورشید حشر جس سے خجل ہو وہ داغ عشق / دل میں چھپا رکھا ہے قیامت کے واسطے

کچھ بن پڑا نہ بزم میں اس کی، سوائے شکر / کیوں کر زبان اٹھتی شکایت کے واسطے

آخر نقاب الٹو عدو بھی ہے، میں بھی ہوں / جھگڑا اٹھا نہ رکھو قیامت کے واسطے

اک میں ہوں تم کو دیکھ کے آتی ہے مجھ میں جاں — اک تم ہو آئے بھی نہ عیادت کے واسطے
یہ کہہ کے اس نے کیل دی وو جڑا زباں — میں تو ترس گیا تری صورت کے واسطے
"آنکھوں میں دم ہے، نبض ہیں ساقط، زباں ہے بند" — یہ سن کے بھی نہ آئے عیادت کے واسطے

کیجیے وفا ثواب سمجھ کر تو کیا گناہ
یکتا نے اب دیئے ہیں محبت کے واسطے

(۵۰)

نام میرا جو بے وفا رکھے — اس سے امید کوئی کیا رکھے
عمر کے دن گزر ہی جائیں گے — وہ نہ کوئی کسر اٹھا رکھے
پھونکا بجلی نے آشیاں تو کیا — بین کے پھر چار تنکے لا رکھے
شیخ سے کوئی کہدے آئی بہار — توبہ کو طاق پر اٹھا رکھے
کیا توقع کرم کی اس سے ہو — جور بیجا کو جو روا رکھے
موت بھی آئے تو ہمیں منظور — عشق ہے آپ کا' خدا رکھے
ہو جو دشمن زمانہ غم کیا ہے — کون چکھے جسے خدا رکھے
سال بھر بعد عید آئی ہے — آج روزہ مری بلا رکھے

چڑتے ہو نام سے جو یکتا کے[1]
کیا وہ نام اور دوسرا رکھے؟

(۵۱)

نہ وہ آئے نہ صبر آتا ہے — دل ہے' ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے
جب گیا وقت یاد آتا ہے — سانپ سا دل پہ لوٹ جاتا ہے
آئی شاید بہار گلشن میں — دھن زخم مسکراتا ہے

---

[1] اس مقطع پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ولیم بیل نے مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ عہد عالم گیری میں ٹھٹھ کے صوبیدار احمد یار خاں، یکتا تخلص کرتے تھے، ان کے ہم تخلص پہلے ہی ایک اور صاحب محمد عاقل لاہور میں موجود تھے۔ وہ احمد یار خاں کی اس حرکت سے چڑ گئے اور ترک تخلص کا مطالبہ کیا۔ احمد یار خاں نے یہ تجویز پیش کی کہ مجلس مشاعرہ منعقد کی جائے اور دونوں ہم طرح غزلیں پیش کریں جو بازی لے جائے وہی یکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر احمد یار خاں کی طرحی غزل کے بعد محمد عاقل سکتے میں آگئے غزل پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ احمد یار خاں ہی یکتا ٹھہرے۔
(ص۔ ۳۱۵)

آسماں بار دے گا قیامت تک — خاک میں ہم کو کیوں ملاتا ہے
سوزِ الفت سے جل کے پروانہ — رات بھر شمع کو رلاتا ہے
اس کے تیرِ نگاہ کے صدقے — دل کے زخموں کو تو ہنساتا ہے
آ کے صورت تو اب دکھا جاؤ — سانس مشکل سے آتا جاتا ہے
دل بھی رہتا نہیں ہے قابو میں — کون بگڑی میں کام آتا ہے
مجھ اسیرِ قفس کو اے صیاد! — مژدۂ گل عبث سناتا ہے
سب ہیں ساتھی بنی کے، بگڑی میں — کون آتا ہے، کون جاتا ہے
دلِ ناشاد کی، الٰہی خیر — مسکراتا ہوا وہ آتا ہے
آج چکھا ہے محتسب نے مزا — جھومتا میکدے سے آتا ہے

اُف ۔ ستم گر! یہ ظلم، یکتا کو
مثلِ حرفِ غلط، مٹاتا ہے

۸ر مارچ ۱۹۲۱ء
بلّہ (بہاول پور)

(۵۲)

ختم پر اب تو زندگی آئی — لاکھ چاہا، نہ شاعری آئی
یا الٰہی! وفا کی رکھ لے شرم — مجھ کو آ جائے، غیر کی آئی
میں تو روتا ہوں اپنی قسمت کو — تم کو کس بات پر ہنسی آئی
مرنا تو تھا ہی، بات رہ جاتی — شبِ فرقت نہ موت بھی آئی
ہجر میں جس کی مانگتے تھے دعا — وصل میں، آہ! وہ گھڑی آئی
رونا آتا ہے ایسے جینے پر — نہ کبھی بھول کر ہنسی آئی
جی میں آیا تھا، ان کو نذر کروں — دل شکستہ تھا، شرم سی آئی

دل نہیں آیا اس پہ اے یکتا
جان لے، موت جیتے جی آئی

۱۳ر مارچ ۱۹۲۱ء
بلّہ (بہاون پور)

(۵۳)

شر بھی ہے، خیر بھی ہے، اب سامنا محشر میں ہے — خیر ہے کوثر پر، تو یہ تقدیر کے چکر میں ہے

مضطرب دل، ہر شہ میں، ماتم اصغر میں ہے
غم کی اک تصویر ہر داغ دل مضطر میں ہے

اک صدائے یاعلی اکبر دل مضطر میں ہے
یہ وہ ماتم ہے، سلامی! خود خدا کے گھر میں ہے

کوثر و تسنیم میں ڈوبا ہوا نکلے گا وہ
اشک خوں رویا جو ہجر ساقی کوثر میں ہے

وہ علی کا شیر بپھرا، تو قیامت آگئی
حشر کا ہنگامہ برپا شمر کے لشکر میں ہے

مرا سینہ ہی نہیں ہے ہجر شاہ میں غم سے چاک
خونچکاں میرا قلم بھی ماتم سرور میں ہے

غیض میں اکبر کی آنکھیں، غیض میں اکبر کے بل
آب یہ گوہر میں ہے، جوہر نہ یہ خنجر میں ہے

پی کے اے ساقی جسے ہوجاتے دیدار حسین
بادۂ پرکیف ایسی بھی ترے ساغر میں ہے

عشق میں معراج حاصل ہوگئی شبیر کو
مثل مہر و ماہ روشن نام دنیا بھر میں ہے

مومنوں کے دل سے پوچھو کربلا کے واقعات
یوں تو افسانہ شہادت کا زمانے بھر میں ہے

وائے وہ دل جس سے آتی ہو صدائے یاحسین
ہائے وہ دیوانہ، سودا شہ کا جس کے سر میں ہے

اشقیا سے شہ نے فرمایا "یہ ہیں قدرت کے بھید"
"نہر کوثر ورنہ یہ دیکھو، مری ٹھوکر میں ہے"

لہو کے پیاسے سید مظلوم کا، کاٹا گلا
شمر سے کچھ بڑھ کے سختی شمر کے خنجر میں ہے

حب اہل بیت اور عشق نبیؐ، یاد حسینؓ
شکر ہے، نام خدا، کیا کیا دل مضطر میں ہے

بادشہ ہیں آئے جو آنکھوں میں آنسو پی گئے
چشمۂ کوثر ہماری آنکھوں کے ساغر میں ہے

عاشق شبیرؑ کو حوران جنت سے غرض
باغ جنت اس کے ہر داغ دل مضطر میں ہے

سر امام دو جہاں کا کاٹنے کو ہے چلا
کبر و نخوت کا نشہ شمر لعیں کے سر میں ہے

دے کے زینب کو تسلی ہوگئے رخصت حسین
عابد بیمار اب شیر خدا کے گھر میں ہے

آیۃ واللیل کس کی شان میں ہے شامیو!
عکس کس کا، دیکھو تو، شکل علی اکبر میں ہے

چاند جب دیکھا محرم کا مرا دل کٹ گیا
بے گنہ کے خون کی تحریر اس خنجر میں ہے

حمد لکھی، نعت لکھی، اور کچھ لکھے سلام
اک یہی نیکی مرے اعمال کے دفتر میں ہے

تو ہی اک غم میں نہیں یکتا، یہ ہے چہلم کا دن
ماتم اک غربت زدہ پیاسے کا عالم بھر میں ہے

———— ————

پیارے صاحب رشید

(ایک مختصر مطالعہ)

علی امام رضوی

نام سید مصطفےٰ مرزا۔ تخلص رشید۔ عرفیت پیارے دنیائے شاعری میں پیارے صاحب رشید کے نام سے مشہور ہوئے۔ نانا میر ببر علی انیس۔ سید محمد مرزا انس۔ رشید کے جد امجد سید ذوالفقار علی مرزا احمد شاہ کے عہد حکومت میں کشمیر سے دہلی آئے کسی وزیر کے نائب ہوئے اور اپنی خدمات کے صلے میں مرزا کا خطاب پایا۔ انتزاع سلطنت دہلی کے بعد دہلی کی سکونت ترک کردی اور لکھنؤ آکر بس گئے۔

خاندان رشید میں شاعری کی ابتدا سید محمد مرزا انس سے ہوئی جو ناسخ کے شاگرد تھے۔ کلام انس عمدہ تھا لیکن وہ شہرت حاصل نہ کر سکے جو ان کے بعض معاصرین کے حصے میں آئی۔ مولف حیات رشید سید آغا اشہر کو تعجب ہے کہ آزاد نے آب حیات میں شیخ ناسخ کے نامی شاگردوں میں مرزا انس کا نام نہیں لکھا۔ اس کی وجہ ان کے خیال میں یہ ہے کہ انس کا دیوان طبع نہیں ہوا۔ لیکن آزاد کے بعد کے تذکرہ نگاروں میں مولانا سید عبدالحیٰ اور مولوی محمد یحییٰ تنہا نے بھی ناسخ کے شاگردوں میں انس کا نام نہیں لیا ہے۔ البتہ رام بابو سکسینہ جہاں مرزا انس کا ذکر کیا ہے وہاں ان کو ناسخ کا شاگرد تسلیم کیا ہے اور پرانے تذکرہ نویسوں میں صرف عبدالغفور شہباز[1] نے سلسلہ ناسخ میں انس کا ذکر کیا ہے۔

سید محمد مرزا انس کے پانچ لڑکے تھے۔ حسین مرزا عشق۔ احمد مرزا صابر۔ عباس مرزا صبر۔ سید مرزا تعشق اور نواب مرزا عاشق۔ ان میں مرزا عشق اور مرزا تعشق لکھنؤ کے قادر الکلام شاعر اور مرثیہ گو مانے گئے۔ مرزا انس کے انتقال کے بعد اس خاندان کو مرزا انس کا خاندان کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ حیدر مرزا ادب۔ نواب مرزا تعلق خلف مرزا تعشق۔ عسکری مرزا مودب حسن مرزا ادیب۔ مصطفےٰ مرزا رشید۔ عابد مرزا سعید۔ باقر مرزا حمید۔ صادق مرزا مجید۔ مہدی مرزا مجدید۔ عباس مرزا علیم۔ افضل مرزا نسیم۔ سجاد حسین شدید۔ مظہر آغا مرزا عظیم۔ سید محمد آغا مرزا سلیم۔ سید محمد مرزا مہذب۔ سید عابد مرزا مکرم اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ رشید کے والد سید احمد مرزا صابر خلف سید محمد مرزا انس بھی لکھنؤ کے ممتاز شاعر و مرثیہ گو تھے۔ عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ مگر نام و نمود سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو وہ شہرت نہ مل سکی جو ان کے درحقیقی بھائیوں مرزا عشق اور مرزا تعشق کے حصے میں آئی۔ رام بابو سکسینہ نے صابر کا تذکرہ یوں کیا ہے کہ یہ اپنے مشہور بیٹے رشید کی وجہ سے قابل ذکر ہیں (تاریخ ادب اردو ص ۱۰۱۰) مرزا صابر کی شادی ربیع الاول ۱۲۶۲ھ ہجری مطابق فروری ۱۸۴۶ء کو میر انیس کی صاحبزادی سے ہوئی اور ۱۲۶۳ ہجری مطابق ۱۸۴۷ء میں پیارے صاحب رشید کی ولادت ہوئی۔ رشید کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اس کے بعد سید اصغر شاہ صاحب سے صرف و نحو کا درس لیا۔ مرزا محمد صاحب اخباری سے فقہ کی کتابیں پڑھیں۔ درسیات فلسفہ و منطق کی تحصیل مولوی انور علی صاحب حنفی سے کی۔ رشید کو مطالعے کا بے حد شوق تھا جس نے علم کی اعلیٰ استعداد پیدا کر دی تھی۔ رشید کی شادی میر انیس کے صاحبزادے میر عسکری رئیس کی دختر سے ہوئی۔ اس طرح رشید

---

[1] اس تذکرے کا نام کیا ہے۔ مضمون نگار کی مراد سخن شعراء سے تو نہیں جو عبدالغفور خاں نساخ کی تصنیف ہے۔ (افسر صدیقی)

میر انیس کے خاندان میں شامل ہوگئے اور پھر رشید کی دو صاحبزادیوں کی شادی بھی خاندانِ انیس میں ہوئی ایک صاحبزادی کی شادی سید ابو محمد جلیس خلف میر محمد سلیس ابن میر ببر علی انیس سے ہوئی (اسرارِ محن مرتبہ مہذب لکھنوی ص ۱۰۹) جلیس نے اپنے کلام کی بدولت کافی شہرت حاصل کرلی تھی مگر موت نے مہلت نہ دی رشید کی زندگی ہی میں اُن کا انتقال ہوا۔ منجھلی صاحبزادی کی شادی میر ذکی حسین عرف منے صاحب ذکی سے ہوئی۔ ذکی میر انیس کی بڑی صاحبزادی کی بیٹی کے فرزند تھے (اسرارِ محن ص ۸۸) منے صاحب میر ذکی کا انتقال ۱۵ جون ۱۹۴۳ء کو بعمر ۸۰ سال لکھنؤ میں ہوا۔

خاندانِ رشید میں دو پشتوں سے سخن وری و سخن گوئی کا سلسلہ قائم تھا اور ننھیال والوں کو پانچویں پشت کے شاعرانہ کمال پر ناز تھا۔ رشید نے بھی اسی دشت کی سیاحی کا قصد کیا۔ طبیعت کا فطری میلان بھی شاعری کی طرف تھا جس کو خدائے سخن میر انیس کی اصلاح اور تربیت نے سنوارا۔ رشید انیس کے نواسے نواسیوں اور پوتے پوتیوں میں رشید سب سے بڑے تھے۔ اس لیے انیس رشید سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور اکثر مجالس میں ہمراہ لے جاتے تھے۔ رشید نے اپنے حقیقی چچا مرزا عشق اور مرزا تعشق سے بھی اصلاح لی اور فنِ شعر میں تعشق کے رنگ کا اتباع کیا۔ انیس کی طرح رشید بھی ابتداً غزل کی طرف رجوع ہوئے انیس نے میر خلیق کے کہنے پر غزل گوئی ترک کردی تھی۔ مگر رشید نے غزل گوئی کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنی شاعرانہ نزاکتوں اور استادانہ موشگافیوں کے سبب دبستانِ لکھنؤ کے ممتاز فرد سمجھے گئے۔ بقول حامد حسن قادری رشید نے غزل اور مرثیہ دونوں کہنے شروع کیے، مرثیے سے پہلے غزل میں کمال حاصل کیا (مختصر تاریخ مرثیہ گوئی ص ۲۴۴) رشید کی متغزلانہ طبیعت کا اثر ان کے مرثیوں میں بھی نمایاں ہے۔ مرثیوں میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین کا اضافہ ہے۔ ان کی جودتِ طبع نے مرثیوں میں ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین کا اضافہ کچھ اس طرح کیا کہ مرثیت بھی برقرار رہی اور ادبیت میں بھی بیش بہا اضافہ ہوا۔ زمانہ حال کے مرثیہ گو ساقی نامہ اور بہاریہ کا خاص التزام کرتے ہوئے دراصل غیر شعوری طور پر رشید ہی کا اتباع کرتے ہیں۔

رشید کی توجہ زیادہ تر زبان پر ہے اور وہ اس میں اپنے استاد میر انیس کے قدم بقدم چلتے ہیں" (رام بابو سکسینہ تاریخ ادبِ اردو ص ۱۰۴)

فی الواقع سلاست و روانی، سادگی و حلاوت اور روزمرہ وہ محاسنِ شعری ہیں جن کی بدولت رشید شعرائے لکھنؤ میں ممتاز اور متمیز نظر آتے ہیں۔

رشید کی ہندوستان گیر شہرت انھیں دُور دُور لیے پھری۔ وہ رام پور، کانپور، عظیم آباد، کلکتہ، سلیم پور، شیخ پور اور حیدر آباد دکن تک مدعو کیے گئے۔ طبیعت گوشہ نشینی کی طرف مائل تھی اکثر لکھنؤ سے باہر جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن احباب کے اصرار اور والیانِ ریاست اور امرا و رؤسا کے پیہم بلاوے پر مجبوراً جاتے۔ میر محبوب علی خاں آصف فرمانروائے دولت آصفیہ رشید کی بڑی عزت کرتے تھے۔ میر عثمان علی خاں نے بھی اکثر اپنے والد کے ہمراہ رشید کی مجالسِ مرثیہ میں شرکت کی۔ رشید آغازِ مجالس میں حضور نظام کی رباعیات و سلام پڑھتے پھر اپنے مرثیے کا آغاز کرتے۔ نواب بہرام الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدر آباد دکن انیس اور خاندانِ انیس کے بڑے قدردانوں میں سے تھے وہ ہر سال رشید کو ایامِ عزا میں دکن بلواتے اور اپنے یہاں مجالس مرثیہ پڑھواتے۔ اسی طرح نواب صاحب رام پور رشید کی پذیرائی میں پیش پیش رہتے۔ اور یوں مرثیہ گوئی بڑھاپے میں رشید کے غمِ دوراں کے مداوا کا سبب بنی۔

رشید نہایت خوددار، نازک مزاج، اور کم سخن واقع ہوئے تھے۔ کسی کی دل شکنی نہ کرتے تھے۔ دوسروں کی تالیفِ قلب کا حد درجہ خیال رکھتے تھے۔ اُن کی حیات و کلام کے مطالعے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ معاصر شعرا سے ان کی کبھی معرکہ آرائی نہیں ہوئی۔ اہلِ لکھنؤ ان کو مستند مانتے تھے اور احترام کرتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رشید شعرائے ہمعصر کی قدر کرتے تھے اور ان کے محاسنِ شعری کی خاطر خواہ داد دیتے تھے۔ جس کی ایک واضح مثال اس واقعے سے ملتی ہے کہ مرزا سلامت علی دبیر کے فرزند مرزا اوج کا سنِ وفات بھی ۱۹۱۷ء ہے جو رشید اور اوج کا سنِ وفات ہے۔ رشید کے انتقال سے چند ماہ قبل مرزا اوج کا انتقال ہوا۔ رشید باوجود علالت اور کمزوری اوج کی مجلسِ چہلم میں

شریک ہوئے اور مرزا اوج کے فرزند مرزا طاہر رفیع کو گلے لگا کر کہا "میاں صاحب فن اٹھ گیا" (معراج الکلام ص ۱۵) اوج کے متعلق رشید کا یہ مختصر جملہ ان کی شرافت، اعتراف فن اور حسنِ باطن کا آئینہ دار ہے۔

جس طرح رشید کے مداحوں اور قدردانوں کا حلقہ وسیع تھا اسی طرح ان کے شاگردوں کی بھی طویل فہرست ہے۔ ان کے نامی گرامی شاگردوں میں نواب تراب علی خاں، عابد مرزا سعید، نواب خان بہادر، سید قمر، مرزا حمید (پوتے رشید) سید عسکری مرزا محبوب، سجاد حسن شوکت (نواسۂ رشید) پروفیسر مہدی حسن ناصری، سید مہدی، سید انوار حسین انوار، احمد خاں نظم، حامد حسن حامد (حیات رشید ص ۲۱۰) سید محمد اصغر رسوا، سید احمد حسین شفیق، محمد صادق صدق، مولوی محمد عسکری طالب، شیخ زین العابدین عابد، صاحبزادہ نوشیرواں جاہ عادل، غلام مصطفیٰ خاں عجز، حکیم محمد صادق غیور، شیخ فدا حسین فدا، نواب بڈھن صاحب فریاد، آغا اشہر مولف حیات رشید، قدر احمد خاں قدیر، سید افضل مرزا قسیم، مہدی مرزا تجدید، میر کرامت حسین کرامت، نواب مرزا ملک، لالہ نانک چند کھتری ناتک، سید ابو محمد جلیس (رسالہ اردو انیس نمبر ص ۴۰۱) مرزا یاس یگانہ چنگیزی (مضمون از نظیر صدیقی) مرزا یگانہ کی غالب و عزیز دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ عزیز لکھنوی کیا یگانہ کی دوسرے لکھنوی شعرا سے بھی ہمیشہ ٹھنی رہی۔ لیکن یگانہ جیسا شاعر رشید کی فنی خوبیوں کا دل سے معترف تھا۔ ادب لطیف مارچ ۱۹۱۴ء میں "نشتر یاس" کے نام سے یاس یگانہ کا جو مجموعہ کلام شائع ہوا اُس پر اوج اور جاوید کے علاوہ رشید نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

رشید نے مشاعروں میں جانا تو بڑھاپے کی آمد آمد پر ہی ترک کر دیا تھا لیکن جب پیری نے پر نکالے اور بیماری نے گھیر ڈالا تو مرثیہ پڑھنا بھی ترک کر دیا۔ ناتوانی گھر کرتی گئی اور ایک وقت وہ آیا کہ جب کوئی مزاج پرسی کو آتا تو کہتے "ہم گھٹ رہے ہیں اور ناتوانی بڑھ رہی ہے" (حیات رشید ص ۱۱) آخر ہوا ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ ہجری مطابق ۱۷ اگست ۱۹۱۸ء بروز چہار شنبہ شب کو فالج کا شدید حملہ ہوا اسی بیماری میں دبستان لکھنؤ کا یہ نامور شاعر اور خانوادہ انیس کا یہ نازش مرثیہ گو ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ ہجری مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۱۸ء بروز دو شنبہ بعمر ستر سال ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ باغ انیس میں جو بعد میں میر عشق کی بغیہ کہلائی دفن ہوئی۔

محشر لکھنوی نے تاریخ کہی۔

سن وفات یہ محشر نے کہہ اظہار رضواں

ہر ایک بیت پہ اک پاک گھر ارم میں ملا

۱۳۳۶ھ (حیات رشید ص ۱۴۷)

حامد حسن قادری نے رشید کی بابت کہا افسوس ان کی وفات سے مرثیہ گوئی کا تقریباً خاتمہ ہو گیا (مختصر تاریخ مرثیہ گوئی ص ۱۵۵) رشید کے انتقال کے ۵ سال بعد یعنی ۱۹۲۳ء میں سید آغا اشہر لکھنوی نے رشید کی زندگی اور ان کے کلام پر حیات رشید کے نام سے ایک بلند پایہ کتاب لکھی جو انیس اور رشید پر لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے موثر ثابت ہوئی۔ اس کے بعد انجمن محافظ الادب لکھنؤ کے زیر اہتمام مہذب لکھنوی نے گلزار رشید کے نام سے رشید کے کلام اور حالات زندگی پر ایک کتاب مرتب کی۔ انیس کی صد سالہ برسی پر بعض اردو رسائل نے میر انیس نمبر نکالے تھے۔ ان میں اکثر جگہ رشید کا ذکر ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں رشید کے فنی کمالات کا احاطہ کرنا مشکل تھا ضرورت ہے کہ ان کی زندگی اور شاعری پر اور بہت کچھ لکھا جائے۔

انجمن ترقی اردو کے

اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست

(قسط نمبر ۲)

انسر امروہوی

دیوان زادہ حاتم

ا۳

۱۵۱

صفحات ۱۲

ناپ۔ "۸×۱۳ ½"

مصنف۔ شاہ ظہور الدین حاتم

سال تصنیف۔ ۱۱۶۹ھ

شمولات۔ دیوان زادہ میں تین قسم کی غزلیں ہیں ــــ طرحی، فرمائشی اور جوابی۔ ہر غزل پر بحر کا نام اور اُس کا وزن بھی درج ہے۔

کاتب۔ ندارد

سال کتابت۔ ندارد

خط۔ نستعلیق

آغاز۔ زمین طرحی ــــ غزل دیوان قایم ۱۱۳۱ھ

فی بحر رمل مثمن محذوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

جنے کُن کے لفظ سے کونین کو پیدا کیا — کیا ہے ناصر زباں توحید و حمد کبریا

اختتام۔ رقیبوں کے سر او پر چڑھ کے توڑوں گا یہ بیل پیلا — تمہارے حسن کے گلشن میں پیارے کچھ نہ چھوڑوں گا

کیفیت۔ دیوان زادہ' کلیات حاتم کا انتخاب ہے۔ اِسے کاتب نے زمانۂ حال کے ولایتی چکنے کاغذ پر بہت گنجان خفی خط میں لکھا ہے۔ اس کے باوجود بین السطور واضح ہے ابتداء میں مصنف کا مختصر سا مقدمہ ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

"بعد حمد الٰہی و نعت رسالت پناہی معذوری دارد فقیر خاکپائے درویشاں و خوشہ چین خرمن

"سخنوران بیچمدان عالم بصورت محتاج بمعنی حاتم کہ از سنہ یک ہزار و یکصد و شصت و نہ کہ"

"چہل سال باشد نقدِ عمر دریں فن صرف نمودہ ہنوز تربیت طلب و جائے استاد خالی دارد۔"

"در شعر فارسی پیرو مرزا صائب است و در ریختہ ولی را اُستاد می دارد"

حاتم نے اپنے مختصر سے مقدمے میں اُن الفاظ کی ایک فہرست بھی دے دی ہے جن کو انھوں نے اپنی دان[redacted]یں قابل ترک تصور کیا ہے۔

دیوان زادہ حاتم (نسخۂ دوم)

ما ۳
۱۵۲

صفحات ـ ۲۲۴

ناپ ـ ۱۰" × ۶"

مصنف ـ شاہ ظہور الدین حاتم

سال تصنیف ـ ۱۱۶۹ھ

مشمولات ـ دیباچے کے بعد ۴۸۳ غزلیں۔ ایک مستزاد۔ ایک سراپا جس میں (۳۲) اعضائے جسم محبوب کی تعریف کی گئی ہے۔ ۲۵ رباعیاں، ایک قطعہ، ۵۶ فردیات ہیں دو مخمس، ایک شہر آشوب دیوان قدیم سے لیا گیا ہے مزید برآں چند ترجیع بند اور آخر میں دو مثنویاں ہیں ایک مثنوی عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام کی فرمائش پر قہوہ کی تعریف میں ہے اور ایک مثنوی بہاریہ ہے جس کا نام "بزم عشرت" ہے۔

کاتب ـ ندارد

سال کتابت ـ ندارد

خط ـ خوشنما نستعلیق

آغاز ـ اس دیوان زادے کا آغاز بھی وہی ہے جو کلام حاتم کے پہلے نسخے کا ہے۔

اختتام ـ

خدا کے واسطے اس آن ساقی　　بڑا ہوگا ترا احسان ساقی
پلا ایسا نشا اے شمع محفل　　کہ پیتے جس کے آوے جوش میں دل

کیفیت ـ ترقیمہ میں یہ عبارت ہے۔

کلیات فقیر کہ مع اثاث البیت کہ در ہنگامۂ شاہ درّانی بغارت رفتہ در قطعہ اخیر ازیں مثنوی در مسودہ در نظر نیامدہ یکے مجلس رقص دوم خاتمہ کہ قریب یک صد بیت خواہد بود اگر از بعضے یاراں کہ نقل ایں نوشتہ بودند بدست می آید خواہد رسانید ۱۱۸۸ھ یہ مخطوطہ سفید کاغذ پر کشادہ سطروں میں لکھا گیا ہے۔

کلیاتِ حیات

۳
۱۲۴

تعداد صفحات۔ ۲۱۰ سطور فی صفحہ ۱۳

ناپ۔ ۹½" × ۶½"

مصنف۔ مولوی محمد حیات میسور کے علاقے کے رہنے والے تھے ان کا انتقال ۱۲۸۱ھ میں ہوا (مخطوطات انجمن جلد دوم ص ۱۶۸)

سال تصنیف۔ قبل از ۱۲۸۱ھ

مشمولات۔ اس میں مندرجہ ذیل دس رسالے ہیں۔

(۱) آبِ حیات مثنوی (۲) یکمید معرفت نثر

(۳) باب المغفرت نثر (۴) دستور الایمان نثر

(۵) سلسلہ ہائے صوفیہ فارسی نثر (۶) نظم تصوف

(۷) تشریح حدیث من عرف نثر (۸) وظیفہ تسخیر نثر

(۹) قصیدۂ حمدیہ (۱۰) مخمس اردو

کاتب۔ ندارد

سال کتابت۔ ندارد

خط۔ نستعلیق قدرے شکست آمیز

آغاز ؎

حمد حق کے بعد ہے نعتِ نبی ہے ہدایت مومنوں کو یا ربی

باب اول ہے نصیحت کا حبیب باخبر ہو موت آئی عنقریب

اختتام ؎

یہ عقل میں کس کی آویگا جب تک کہ نہیں علم الیقیں اور خود کو فنا کر دیکھے تو تب آئے نظر کس عین الیقیں

عرفاں تو اس کا وہ جانے جو کوئی ہوا ہے علم الیقیں .. .. ..

وہ گنج عیاں کا مالک ہے جو ختم رسل کہلایا تھا

کیفیت۔ عنوانات اور مضمون دونوں سیاہ روشنائی اور یکساں خط میں ہیں۔ کاغذ کسی قدر کرم خوردہ ہو گیا ہے اور جلد بھی شکستہ ہو گئی ہے۔

کلیاتِ سراج

۳
ف ۱
۱۱۲

صفحات۔ ۲۷۴ سطور فی صفحہ ۱۵

ناپ۔ ۸ ½" × ۵ ½"

مصنف۔ کلیات سراج کے مصنف سید سراج الدین اورنگ آبادی ہیں ان کے حالات مخطوطات انجمن جلد اول کے صفحہ ۲۲۱ تا ۲۳۰ میں بہ سلسلہ مثنوی بوستانِ خیال درج کیے جا چکے ہیں۔

مشمولات۔ اس کلیات میں پہلے مناجات ہے پھر چھوٹی چھوٹی چند مثنویاں ہیں اس کے بعد غزلیات ہیں۔ آخر میں دیگر اصناف سخن کے بعد مثنوی بوستان خیال لکھی گئی ہے لیکن یہ مثنوی ناقص الآخر ہے کلیاتِ سراج کے آخر میں فقیر تخلص کے کسی شاعر کی دو غزلیں ہیں ان غزلوں کے مطلعے یہ ہیں ؎

خیر ہے کس لیے آتے ہو یہ گھبرائے ہوئے کیا ستائے ہو کسی کو یا نشہ کھائے ہوئے

کچھ عجب دھب سے کے ہمارے یار کے چالا کئے جس جلاپے سے جگر کے بیچ یہ چھالے ہوئے

کاتب۔ سید امین اللہ ؎ زفیضِ صحبتِ قطب حقیقت امین اللہ محمد نام دارم

سال کتابت۔ ندارد

خط۔ عمدہ نستعلیق

آغاز۔ ؎
الٰہی مجھ کو دردِ لا دوا دے مجھے توفیق عشق بے ریا دے
الٰہی شوق کی آتش عطا کر جلا کر خاک کر لا کر فنا کر

اختتام۔
یہ دردن کی تصنیف ہے حسب حال زباں پر نکل آیا دل کا دیال
نظر میں نہ لاؤ تم اس کا قصور کہ ہے دردمندی سے یہ بات دور

کیفیت۔ مخطوطے کا ہر صفحہ حاشیہ کی سُرخ دوہری اور متن کی اکہری جدولوں سے مزیّن ہے صفحہ اول پر فارسی کا یہ قطعہ ہے ؎
یکے از خاکساراں خاکسارم زکوئے مرشدے مشتِ غبارم
زفیضِ صحبتِ قطبِ حقیقت امین اللہ محمد نام دارم

حوالہ جات۔ حسن ص ۱۰۸۔ نکات الشعرا ص ۱۰۱۔ کریم الدین ص ۱۳۵

دیگر نسخے۔ کتب خانہ فیلسوف جنگ نمبر ۵۴۶۲۔ کتب خانہ سالار جنگ فہرست ص ۳۹۲ تا ۳۹۵ پانچ نسخے۔ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد تذکرہ مخطوطات اول ص ۳۲۸۔ ادارۂ ادبیات جلد سوم دیوان ص ۱۱۳ و ۱۱۴۔ ادارۂ ادبیات جلد چہارم ص ۱۶۹۔

کلیاتِ سراج (نسخہ دوم)

ف ۳ ا
۱۱۳

صفحات۔ ۳۲۵ سطور فی صفحہ ۱۵

ناپ۔ ۹ انچ × ۵"

مصنف۔ سراج الدین سراج اورنگ آبادی

مشمولات۔ اس کلیات کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں جو ص ا سے ص ۲۸۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ ردیف وار اردو کلام ہے دوسرے حصے میں (ص ۲۸۷ سے ص ۳۲۵ تک) فارسی کلام ہے۔ آخر میں تین مخمس ہیں جن میں سے دو سراج نے خود اپنی فارسی غزلوں پر لکھے ہیں اور ایک میں حافظ شیرازی کی ایک غزل کی تضمین ہے۔ ایک مناجات ترکیب بند اور چند رباعیات بھی ہیں۔

کاتب۔ ندارد۔

سالِ کتابت۔ ۱۱۸۰ھ (۱۲ ذی الحجہ)

خط۔ نستعلیق عمدہ

آغاز۔ نسخۂ اول کے مطابق۔

اختتام۔ ـــہ

عمر سب چلتے ہی گذری خاکساری رہ گئی — گرم خاک اس قافلے سیں یادگاری رہ گئی

جی لبوں پر آرہا ہے انتظارِ وصل میں — فوج سب جاتی رہی خاصی سواری رہ گئی

کیفیت۔ مخطوطے میں بہت عمدہ جدولیں ہیں حاشیے میں چار سیاہ اور درمیان میں دو سرخ۔ لوح منقش و مذہب ہے۔ ص ۲۲۲ پر تین مہریں حسن علی نام کی ہیں اور ایک مہر غلام محی الدین نام کی ہے پہلی مہروں کا سنہ ۱۱۸۱ھ اور دوسری کا ۱۲۱۳ھ ہے۔ ص ۲۸۶ پر سراج کے مرید و شاگرد صوفی شاہ کاظم اورنگ آبادی کا قطعہ تاریخ درج ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ سراج نے ۴ شوال ۱۱۷۷ھ کو جمعہ کے روز ظہر کے وقت انتقال کیا۔

کلیات سراج (نسخہ سوم)

ما ۲
۱۶۳

صفحات۔ ۲۰۱ سطور فی صفحہ ۱۵

ناپ۔ ۹×۵

مصنف۔ سید سراج الدین اورنگ آبادی

مشمولات۔ غزلیات اور دیگر اصناف سخن

کاتب۔ ندارد

سال کتابت۔ ۱۱۶۸ھ

خط۔ نستعلیق شکستہ آمیز

آغاز۔ بموجب نسخہ اول و دوم

اختتام۔ ـــــ

ہجر کی رات میں نہیں آرام ہر پلک مجھ نین میں سوزن ہے
تجہ جدائی ستی اے جان سراج آشنائی کر جان کندن ہے
تشنہ لب ہوں مجھے پلا یک بار
جان کندن میں شربت دیدار

کیفیت۔ اوراق کسی قدر نم زدہ ہیں۔ جس کی وجہ سے روشنائی پھیل گئی ہے اور صفحات سیاہی مائل ہوگئے ہیں۔ آخری صفحے پر کسی صاحب نے "ایں کتاب بقیمت پنج روپیہ خرید نمودہ شد" لکھا ہے۔

کلیات سراج (نسخہ چہارم)

ما ۳
۱۱۶۴

صفحات۔ ۱۶۲ سطور فی صفحہ ۱۲

ناپ۔ ۷½×۵

مصنف - سید سراج الدین اورنگ آبادی

مشمولات - ابتدا میں غزلیات ہیں - پھر ۹ رباعیاں اور اس کے بعد ۳۶ فردیات ہیں۔ آخر میں دو مستزاد اور مخمس ہیں۔

کاتب - ندارد۔

سال کتابت - ندارد۔

خط - شکست

آغاز - شربت زندگی اُسے ہے تلخ جس نے پایا مزہ جدائی کا
آرسی حق نما ہے اے غافل خرب ہیں طرز خود نمائی کا۔

اختتام - ـــہ

زاہد کو بند کرنے بکھرا ہے دام مذہب نیں جانتا جہاں میں کوئی عاشقوں کا مشرب
ہر بوالہوس کو مشکل ہے عاشقی کا مطلب پروانہ بولتا ہے مجکوں سراج ہر شب
آتش میں عاشقی کی جلنا محال ہیگا

کیفیت - ناقص الاول بھی ہے اور ناقص الآخر بھی۔ حاشیے میں سرخ دوہری اور متن میں اکہری جدولیں ہیں۔

کلیات سودا

۲
وفا
۱۱۳

صفحات - ۸۸۱ سطور فی صفحہ ۱۴

ناپ - $9\frac{1}{4}'' \times 6''$

مصنف - نام مرزا محمد رفیع خلف مرزا محمد شفیع - احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد دہلی چھوڑ کر فرخ آباد گئے - وہاں سے فیض آباد پھر لکھنؤ ــــــــ ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی - شاہ ظہور الدین حاتم کے شاگرد مرزا جان جاناں مظہر، خواجہ میر درد، میر تقی میر، سوز کے معاصر اور اپنے دور کے مشہور شاعر تھے - ہجو نگاری اور قصیدہ گوئی میں خاص ملکہ رکھتے تھے - تفصیلی حالات "سودا از شیخ چاند" میں دیکھیے۔

سال تصنیف - قبل از ۱۱۹۵ھ

مثنویات۔ ابتدا کے ۹۶ صفحات میں قصائد و مثنویات ہیں اس کے بعد مناقب پھر غزلیات۔ آخر میں ایک نثر ہے جس کی بابت وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی تصنیف ہے۔ اس میں مرثیے کی خصوصیات کا ذکر ہے۔

کاتب۔ محکم سنگھ اورنگ آبادی

سال کتابت ۱۲۴۳ھ

خط نستعلیق شکستہ آمیز

آغاز۔ ـــہ

جہاں انصاف سے ہرگاہ اب معمور ہے اتنا تو اس کے آگے ہو گی عدل کی کیا کچھ فراوانی

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں وگرنہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

اختتام۔ ـــہ

موتی کو صدف کے ہے مرے اشک پہ ترجیح عالم میں نہیں قدر شناس گہر چشم

سرمہ تران آنکھوں میں ہے پر کیا لکھوں سودا آفاق کے ہے موجب نور بصر چشم

کیفیت۔ مخطوطہ کرم خوردہ اور بوسیدہ ہو گیا تھا اب ہر صفحہ کے دونوں رُخ پر بٹر پیپر لگا کر محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ناقص الاول ہے۔ اسے کاتب نے اپنے لڑکے پورن سنگھ عرف درگا پرشاد کے لئے لکھا۔ ترقیمہ کے آخر میں یہ عبارت بھی ہے۔

"بتاریخ ۱۱ رمضان المبارک ۱۲۴۳ھ روز یکشنبہ بوقت اول بدست فقیر حقیر درگا پرشاد عرف پورن سنگھ کہ تخلص فرحاں دارد باتصرام رسید"

حوالہ جات۔ گردیزی ص ۶۲۔ نکات الشعراء ص ۲۲۔ مخزن نکات ص ۳۵۔ حسن ص ۱۱۲ ہندی ص ۱۲۵ گلشن ہند ص ۱۰۳۔ مجموعہ نغز ص ۳۰۳۔ کریم الدین ص ۱۰۹

دیگر نسخے۔ کتب خانہ فیلسوف جنگ نمبر ۵۴۹۲ و نمبر ۵۴۶۵۔ کتب خانہ سالار جنگ فہرست ص ۱۰۱ تا ۱۲۴۔ کتبخانہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مخطوطات سندھ ص ۹۔ خیر پور لائبریری فہرست مخطوطات سندھ ص ۲۶ ادارۂ ادبیات تذکرہ مخطوطات اول ص ۹۹ تا ۱۰۲، ۱۰۳۔ ادارہ ادبیات اردو جلد سوم ص ۶۴ و ص ۱۱۵۔ ادارۂ ادبیات اردو جلد چہارم ص ۹۸۔

انجمن ترقی اردو پاکستان کی شائع کردہ

اردو کی منظوم داستانیں (ڈاکٹر فرمان فتح پوری) قیمت ۲۵ روپلے

اردو کی نثری داستانیں (ڈاکٹر گیان چند) ۱۸ "

داستان اور داستان کے فن کو سمجھنے میں ہر طرح رہنمائی کرتی ہیں

رفتار ادب

ابو سلمان شاہجہانپوری

محدث، ماہنامہ (رسول مقبولؐ نمبر)
ایڈیٹر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی
ناشر: مجلس تحقیق اسلامی۔ گارڈن ٹاؤن۔ لاہور (۶)
صفحات: ایک سو باون
قیمت: تین روپے

یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوتی ہے کہ مذہبی موضوعات پر آج کل سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے لیکن سب سے زیادہ ماتم انگیز پہلو بھی یہی ہے کہ جو کچھ لکھا جاتا ہے اس میں معنوی خوبیوں اور ظاہری زیب و زینت کا فقدان ہوتا ہے۔ کہیں مباحث فکر انگیز اور اہم ہیں تو مضمون نویسی کی خوبیاں اور پیش کش کے حسن کا فقدان ہے اور جہاں حسن کتابت و طباعت نظر آتا ہے وہاں علمی و فکری گہرائی اور موضوع کی افادیت عنقا معلوم ہوتی ہے۔ کوئی ایسی کتاب، مضامین کا کوئی ایسا مجموعہ یا کسی رسالے کا خاص نمبر شاذ ہی نظر آتا ہے جس میں معنوی اور ظاہری دونوں طرح کی خوبیاں جمع ہو گئی ہوں۔ محدث کا رسول مقبولؐ نمبر ان شاذ مستثنیات میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسا پھول ہے جس میں رنگ و بو دونوں کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اس کا موضوع آنحضرت خاتم النبیین فداہ ابی و امی کی ذات قدسی صفات، آپ کی سیرت طیبہ اور آپ کی بعثت مبارکہ کے وہ نتائج و ثمرات ہیں جو وادی ذی زرع سے لے کر پورے کرۂ ارضی اور کائنات انسانی کی اخلاقی، دینی، سماجی، سیاسی، فکری زندگی میں پیدا ہوئے ہیں۔ نمبر کے موضوعات نہایت اہم ہیں، مباحث فکر انگیز، ایمان افروز اور روح پرور ہیں۔ مضامین میں زبان و بیان اور ترتیب و تالیف کی جمیع خوبیاں موجود ہیں اور مضامین کی ترتیب و پیشکش نہایت سلیقے سے کی گئی ہے۔ آرٹ پیپر کا رنگین اور دیدہ زیب سرورق، سفید کاغذ، عمدہ کتابت آفسٹ کی چھپائی نے اس کے لیے دیدہ و دل کو فرش راہ کر دیا ہے۔ مضامین کی علمی و فکری اور تصنیفی و تالیفی خوبیاں مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، بدیع الزماں کیکاؤس، پروفیسر امان اللہ خاں، حافظ نذر احمد، پروفیسر خالد علوی، محمد امین حسن یادری، آباد شاہپوری اور جناب اختر راہی ایم اے کے مطالعہ و نظر اور زور قلم و انشا کی رہین منت ہیں۔ رسالے کی ظاہری خوبیاں اور کتابت و طباعت اور آرائش و تزئین کا حسن اہتمام حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے ذوق و حسن نظر کا دلفریب و دیدہ زیب ثبوت ہے۔

امام ابو حنیفہ (لائف اینڈ ورک)

تصنیف: علامہ شبلی نعمانی

انگریزی ترجمہ: محمد ہادی حسین

ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور

صفحات: ۲۵۶

قیمت: ۱۷ روپے

علامہ شبلی نعمانی کی معرکۃ آرا تصنیف "سیرت النعمان" کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ یہ کتاب اردو کی چند مقبول ترین سوانح عمریوں میں سے ایک ہے اس کے متعدد ایڈیشن ہندوستان پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح پر اردو میں یہ پہلی سوانح عمری اور ان کی عالمانہ و فقیہانہ شخصیت اور ان کی دینی اور فقہی خدمات کا اردو میں پہلا جامع تذکرہ اور تعارف ہے جو اردو میں ایک خاص ادبی شان کے ساتھ اور فن سوانح نگاری کے بلند پایہ نمونے کی حیثیت سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس کے بعد متعدد سوانح عمریاں اور سیاسی و فقہی خدمات کے جائزے شائع ہوئے اور بلاشبہ ان کا اپنا ایک مقام اور افادیت تھی لیکن شبلی کی سیرت النعمان کی سوانحی اور علمی حیثیت برقرار رہی۔ دوسری کتابوں میں اگر کسی خاص پہلو پر زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا تو اختصار و جامعیت کی خوبی برقرار نہ رہی اور ادبی شان اور فنی حیثیت کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ لیکن علامہ شبلی کی معرکۃ الآرا تصنیف اردو میں تھی اور صرف اردو داں حضرات استفادہ کر سکتے تھے۔ ہمارے ملک میں ایسے حضرات کی بھی کمی نہیں جو صرف انگریزی زبان کے ذریعہ یا انگریزی زبان میں زیادہ آسانی کے ساتھ مطالعہ کر سکتے ہیں اس امر کی ایک مدت سے ضرورت تھی کہ سیرت النعمان کا انگریزی میں ترجمہ کرایا جائے، لیکن شبلی کی تصنیف کے ترجمے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ خدمت کسی ایسے صاحب قلم کے ہاتھوں انجام پائے جو ایک طرف تو سیرت النعمان کی ادبی شان اور اس فنی کارنامہ کا اندازہ شناس ہو اور فقہ اور علوم دینی کی کم از کم مبادیات سے واقف ہو ساتھ ہی انگریزی زبان میں تحریر و نگارش پر بھی قدرت رکھتا ہو اور اس امر کا اہل ہو کہ انگریزی ترجمہ میں بھی اس کی ادبی شان اور فنی حیثیت برقرار رکھ سکے جناب ہادی حسین پاکستان کے علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ سیرت النعمان کے ترجمے کی خدمت انھیں نے انجام دی ہے اور وہ اس خدمت سے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

(ابو سلمان شاہجہانپوری)

دیوان حسن شوقی

مرتبہ

ڈاکٹر جمیل جالبی

قیمت ——— پانچ روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ کراچی ۱

تاریخ مسعود

انسر امروہوی

غنیؔ محمد طاہر کشمیری

از فوت غنی گشت کہ و مہ غمگیں — ہر کس شدہ در ماتم او خاک نشیں
تاریخ وفاتش ار بہ پرسند بگو — پنہاں شدہ گنج ہہرے زیر زمیں

۱۰۷۹ھ

(یکے از شاگردان غنی) — (دیباچہ دیوانِ غنی)

غیورؔ۔ داروغہ اولاد علی سہسوانی

اے ریاضی رفت چوں از دہر اولاد علی — ہر یکے از دوستانش شد گرفتار الم
مہر داروغہ نشاں گفتہ است در گفتہ غیور — گفت در گوشم عطارد "آوخ آوخ کی قسم"

۱۲۱۶ھ — ۱۲۱۶ھ

ریاض الدین ریاضی سہسوانی — (ملہم تاریخ)

فائز، مرزا محمد حسن بنارسی

آہ رحلت کر گئے دنیا سے اب | فائز والا گہر عالی نژاد
سال رحلت لکھ دو اے قادر یہی | شاعر شیریں زبان نیکو نہاد

۱۳۴۷ھ

عبدالقادر قادر بنارسی (رہنمائے تاریخ)

فخر۔ ماسٹر فخرالدین عرف فضیلت حسین

خلف شیخ احمد بن شیخ محمد علی شاگرد سید افضل علی خاں افضل لکھنوی

ششم کو ماہ ذی الحجہ کی صد حیف | گئے دارِ جہاں سے متقی فخر
ہوئے مدفون نماز جمعہ کے بعد | نہاں ہیں زیر تربت مولوی فخر
جو کی تاریخ رحلت کی قمر فکر | کہا دل نے کہ ہے ہے جنتی فخر

۱۳۷۲ھ

نقی نواب قمر گیاوی (مسلم شعرائے بہار ششم ص ۲۶۴)

فخر۔ حکیم غلام مصطفیٰ سہسرامی۔ ۳؍ جمادی الاول

لکھو یہ بے سر اندیشہ بسمل | کہ ہائے حیف فخر سہسرامی

۱۳۶۹ھ

عبدالرحمن بسمل (مسلم شعرائے بہار ص ۱۹۷)

فدا۔ فدا حسین خاں لکھنوی

باپدر جلیل خود عازم کربلا چو شد | ناگہاں در بر ورہ مرد ولئے فدا حسین خاں
مصرع سال رحلتش اشک حزیں چنیں نوشت | اہل جوان نیک رو ہائے فدا حسین خاں

۱۲۶۶ھ

سید علی اوسط اشک لکھنوی (دیوان رشک)

فدا۔ فدا حسن خاں کاکوروی

چوں آں خانِ والا فدائے من ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ نم بحرِ فنا شد سوے سلسبیل
غنی ستم دیدہ ماتم نشیں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ غم جاں ربا گفت سالِ رحیل

۱۲۹۷ھ

کاظم حسین غنی کاکوروی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ (مشاہیر کاکوری ص ۳۱۸)

فرحت، خواجہ فیض اللہ عظیم آبادی

بیں کہ فیض اللہ من خواجہ بود ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ شاعر و از فنِ تکسیر آگاہ
طے بہ تعویذ و توکل میکرد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ راہ دشوار کفافِ خود آہ
چوں شنیدم خبر رحلتِ او ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ دلِ من گفت کہ انا للہ

گفت ہاتف کہ عروجش دیدم
بجناں بود درِ فیض اللہ

(۱۲۷۸ھ)

احمد کبیر حیرت، پھلواروی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ (تواریخ کملا دوم ص ۲۱۲)

فریاد، شاہ الفت حسین عظیم آبادی

اُستادِ مہینِ بندہ وحید ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ شاہ الفت حسین فخرِ جہاں
سالِ رحلت بہ عینِ ہوش یکا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ خواست چوں جانِ زار موبہ کناں

گفت رضواں ہمیں کہ دید او را
شاہ الفت حسین صدرِ جہاں

۱۲۹۸ھ

عبدالرؤف وحید ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ (حیاتِ فریاد ص ۱۵۶)

نئے خزانے

ابو سلمان شاہجہانپوری

یہ اشاریہ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔

ادب و تنقید	علمی و ادبی شخصیات
علمی و ادبی نوادر	سیاسی شخصیات
لغت، لسانیات وغیرہ	مذہبی شخصیات
خود نوشت و آپ بیتی	طب و صحت
تاریخ و سیاسیات	مذہبیات
شخصیات	قرآن و تفسیر
علامہ اقبال	سیرتِ نبوی
میر انیس	مسائل و مباحث دینی

گزارش

اس اشاریے میں ماہ اپریل یا اس سے پہلے کا کوئی پرچہ رہ گیا ہو تو اس کے فاضل ایڈیٹر سے گزارش ہے کہ مہیا فرما کر شکریے کا موقع دیں تاکہ آئندہ اسے بھی اشاریے میں شامل کر لیا جائے (مرتب)

اس اشاریے کی ترتیب میں ماہ اپریل ۱۹۷۴ء اور دیگر مہینوں کے مندرجہ ذیل رسائل سے مدد لی گئی ہے۔

سہ ماہی	اردو	کراچی	نمبر ۱ تا ۴	۱۹۷۳ء	ماہنامہ	فنون	لاہور	جنوری فروری	۱۹۷۴ء
"	اردو نامہ	"	اپریل	۱۹۷۴ء	"	قومی زبان	کراچی	اپریل	"
ماہنامہ	الجامعہ	جھنگ	"	۱۹۷۴ء	"	قومی صحت	لاہور	"	"
سہ ماہی	الزبیر	بہاولپور	ادبی معرکے	۱۹۷۴ء	"	محدث	"	نمبر ۱ تا ۴	"
ماہنامہ	الشجاع	کراچی	نمبر ۳، ۴	۱۹۷۴ء	"	میثاق	"	اپریل	"
سہ ماہی	العلم	"	جنوری	"	ہفت روزہ	المنبر	لائل پور		
ماہنامہ	المعارف	لاہور	اپریل	"	"	پیمان	کراچی		
"	الولی	حیدرآباد	مارچ	"	"	چٹان	لاہور		
"	ترجمان الحدیث	لاہور	اپریل	"	"	لاہور	لاہور		
"	ترجمان القرآن	"	"	"	روزنامہ	امن	کراچی	اقبال نمبر	
"	سب رنگ ڈائجسٹ	کراچی	"	"	"	حریت	"	میلاد النبی نمبر	
"	سرحد	"	"	"	"	صداقت	"	" اقبال نمبر	
"	طلوع اسلام	لاہور	"	"	"	مساوات	"	"	"
"	فاران	کراچی	"	"	"	مشرق	"	"	"

ادب و تنقید

ارشد، عبدالحمید	اردو شاعری اور ادب	لاہور	لاہور	۱۵ اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۵ تا ۶
اسلم پرویز	دبستان لکھنؤ	الشجاع	کراچی	اپریل	"	ص ۴۲ تا ۵۱
الطاف علی بریلوی، سید	سرسید گرلز کالج تاریخ قیام	العلم	"	جنوری	"	ص ۲۶ تا ۶۹
	مجلس مصنفین علی گڑھ	"	"	"	"	ص ۹۶ تا ۱۱۰
	مصنف علی گڑھ پہلا اور آخری اداریہ	"	"	"	"	ص ۴۶ تا ۶۸
خالد حسن قادری، ڈاکٹر	موادِ ارمغان شعرائے دہلی	اردو نامہ	"	اپریل	"	ص ۹ تا ۲۴
درّانی، محمد معین الدین	میرانِ تالپور کے عہد میں اردو شعر و ادب کی ترقی	"	"	"	"	ص ۴۳ تا ۵۵
سبط نبی نقوی، سید	مسلمانوں کے علمی تنزل کی بنیاد	العلم	"	جنوری	"	ص ۵۳ تا ۵۸
سخاوت مرزا	اربعینِ عندلیب	الولی	حیدرآباد	مارچ	"	ص ۵ تا ۱۶
شفقت رضوی، پروفیسر	خواجہ عنایت اللہ فتوت اور مثنوی در معنوی	اردو نامہ	کراچی	اپریل	"	ص ۵۶ تا ۷۲
کوثر نیازی، مولانا	ادبی رسائل کی روایت	روزنامہ مشرق	"	۲۴ر "	"	ص ۴
"	" " "	" مساوات	"	" "	"	ص ۵
"	نئی نسل گھٹیا ادب	صداقت	"	" "	"	ص ۴ تا ۵
"	قومی ثقافت میں ادبی رسائل کی اہمیت	امن	"	" "	"	ص ۲
وزیر آغا، ڈاکٹر	جدید شاعری	الشجاع	"	مارچ اپریل	"	ص ۵ تا ۶

علمی و ادبی نوادر

نثار الحق صدیقی	لارڈ ہسٹنگز کا سفرنامہ	العلم	کراچی	جنوری	۱۹۷۴ء	ص ۴۷ تا ۹۵
خیرالدین محمد						
محمد ایوب قادری (مترجم)	تذکرہ علمائے جونپور	سرحد	"	اپریل	"	ص ۱۷ تا ۴۴
شبیر علی کاظمی	عشرت نامے	اردو نامہ	"	"	"	ص ۷۳ تا ۸۰
صہبائی، امام بخش						
محمد ایوب قادری (مرتب)	تذکرہ شعرائے اردو	سرحد	"	اپریل	"	ص ۴۲ تا ۴۶
فاضل زیدی	نوادرِ داغ	اردو نامہ	"	"	"	ص ۸۸ تا ۱۰۱

لغت، لسانیات

ابوالخیر کشفی، سید	ادبی اور تنقیدی اصطلاحات	فنون	لاہور	اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۵۶ تا ۵۸
ادارہ	اردو لغت قسط نمبر ۴	اردو نامہ	کراچی	"	"	ص ۵۹ تا ۷۰
سخاوت مرزا	غرائب اللغات	"	"	"	"	ص ۲۵ تا ۲۹
شریف الحسن	اجزائے لغت پر تبصرہ	"	"	"	"	ص ۳۱ تا ۳۵
ماہر القادری	لغات کی مشکلات اور نزاکتیں	"	"	"	"	ص ۳۵ تا ۴۲

خود نوشت و آپ بیتی

امیر حسن	وہ مرا داخلِ زنداں ہونا۔ شورش کاشمیری	پیمان	"	۲۹ اپریل	"	ص ۸ تا ۹
قیصری بیگم	کتاب زندگی	اردو نامہ	"	اپریل	"	ص ۱۰۲ تا ۱۱۰

تاریخ و سیاسیات

ابوبکر غزنوی، پروفیسر سید	اتحاد عالم اسلام ۔ چند بنیادی باتیں	چٹان	لاہور	۲۲ اپریل	"	ص ۱۲ تا ۱۴
الطاف علی بریلوی	اسلامی سربراہ کانفرنس	العلم	کراچی	جنوری	"	ص ۴ تا ۶
اللہ بخش یوسفی	سانحہ سرحد (۱۹۳۰ء)	سرحد	"	اپریل	"	ص ۴۳ تا ۴۸
الیاس سیتاپوری	جانِ عالم کا پری خانہ	سب رنگ ڈائجسٹ	"	"	"	ص ۱۲ تا ۴۸
حسن عباس رضوی	پاکستان کی نشأۃ ثانیہ	طلوع اسلام	لاہور	"	"	ص ۷ تا ۱۴
خلیل احمد حامدی	عالم اسلام اور پاکستان	ترجمان القرآن	"	اپریل	"	ص ۳۲ تا ۴۸
عرفانی، مہر احمد خاں	عالم اسلام ایک نظر میں	الجامعہ	محمدی شریف	"	"	ص ۲۶ تا ۴۰
محمد اسحاق، ڈاکٹر	حضرت عمرؓ کے عہد میں ہند پر عربوں کے حملے	المعارف	لاہور	"	"	ص ۴۱ تا ۴۸
یوسف سلیم چشتی، پروفیسر	اسلام کو حکمائے عصر حاضر کے تین چیلنج	میثاق	"	"	"	ص ۱۲ تا ۴۸

شخصیات

اقبال، علامہ

آزاد، جگن ناتھ	اقبال نمائش سری نگر	قومی زبان	کراچی	اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۱۰ تا ۱۴

آزاد، جگن ناتھ	سری نگر میں علامہ اقبال کی تصانیف کی نمائش	طلوع اسلام	لاہور	اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۵ تا ۸
آفتاب احمد قریشی، حکیم	اقبال — نوجوان اور کسان	مساوات	کراچی	۲۲ اپریل	″	ص ۹
ابصار احمد، ڈاکٹر	اقبال کا فلسفہ خودی	میثاق	لاہور	اپریل	″	ص ۳۲ تا ۴۰
اسرار احمد، ڈاکٹر	اقبال اور ہم	″	″	″	″	ص ۱ تا ۸
اسلم راجہ، ایم	اقبال اور اشتراکی نظریات	مساوات	کراچی	۲۲ اپریل	″	ص ۹
انوار احسن صدیقی	اقبال کی شاعری کا محور	″	″	″	″	ص ۱۰
ایوب قادری، محمد	اقبال کا سفر دہلی ۱۹۰۵ء	قومی زبان	″	اپریل	″	ص ۵۷ تا ۶۱
بشیر احمد ڈار	اقبال کا علم کلام — ایک تجزیہ (۲)	فنون	لاہور	″	″	ص ۲۷ تا ۴۰
″	اقبال کا نصب العینی معاشرہ	المعارف	″	″	″	ص ۷ تا ۲۸
″	اقبال کے فلسفے میں تضاد و توافق	قومی زبان	کراچی	″	″	ص ۶ تا ۹
تنویر کوثر	علامہ اقبال کا مسلک تصوف	″	″	″	″	ص ۴۲ تا ۵۶
حبیب اللہ رشدی، محمد	اقبال اور سر اکبر حیدری	″	″	″	″	ص ۱۵ تا ۱۸
حسن محمد خاں، ڈاکٹر	اقبال اور ان کا نظریہ تعلیم	مساوات	کراچی	۲۲ اپریل	″	ص ۲
خورشید، ڈاکٹر عبدالسلام	علامہ اقبال کے افکار کی اشاعت	مشرق	″	″	″	ص ۲
رفیع الدین ہاشمی	اقبال کے خطوط	قومی زبان	″	اپریل	″	ص ۲۹ تا ۴۰
سرفراز احمد، سید	پیغام اقبال	مشرق کراچی		۲۲ اپریل	″	ص ۷
سعید صدیقی، محمد عبدالرحمان	علامہ اقبال اور نواب بہادر یار جنگ	سرمد	″	اپریل	″	ص ۴ تا ۱۱
سلیم چشتی، پروفیسر	اقبال کے عشق رسول کا پیغام	صداقت	″	۲۲ اپریل	″	ص ۲
شاہد، خواجہ حمید الدین	کلام اقبال کے دو پہلو	مساوات	″	″	″	ص ۵
شاہین رشید	اقبال کا نصب العین	امن	″	″	″	ص ۶
شورش کاشمیری	اقبال	چٹان	لاہور	″	″	ص ۵
	علامہ اقبال اور سر فضل حسین	″	″	″	″	ص ۷ تا ۸
شوکت سبزواری	اقبال کا مذہبی شعور	صداقت	کراچی	″	″	ص ۲
صغرا خیری	اقبال کا پیغام	پیمان	″	۲۹ اپریل	″	ص ۵
عبداللہ، ڈاکٹر سید	اقبال کے کلام میں حرم کا تصور	مساوات	″	۲۲ ″	″	ص ۲
علی عباس جلال پوری	تنقیحات و تصریحات (۲)	فنون	لاہور	اپریل	″	ص ۴۱ تا ۵۵
غلام مجتبیٰ براچہ	اقبال کی سوچ کا محور — قرآن	مساوات	کراچی	۲۲ اپریل	″	ص ۹

فقیر وحید الدین	حیات و سیرتِ اقبال	صداقت	کراچی	۲۲ اپریل ۱۹۷۴ء	ص ۲
کنیز فاطمہ یوسف، ڈاکٹر	اقبال کے انگریزی خطبات	"	"	" "	ص ۲
کوثر نیازی، مولانا	پیغام اقبال کی عظمت	امن	"	" "	ص ۳
ماہر القادری	اقبال کی شاعری	فاران	"	اپریل "	ص ۱۱ تا ۲۱
محمد احمد خاں	عقل اور وجدان ۔ اقبال کی نظر میں	چٹان	لاہور	۲۲ اپریل "	ص ۹
محمد ریاض، ڈاکٹر	مسلمانوں کی وحدت کا داعی	قومی زبان	کراچی	اپریل "	ص ۱۹ تا ۲۴
محمد منور، پروفیسر	مقام قرآن علامہ اقبال کی نظر میں	میثاق	لاہور	" "	ص ۲۵ تا ۳۲
معز الدین، ڈاکٹر ایم	اقبال کا معاشی تصور	مساوات	کراچی	۲۲ اپریل "	ص ۵
ممتاز احمد خاں	علامہ اقبال چینیوں کی نظر میں	مشرق	"	" "	ص ۷
نظیر صدیقی	اقبال کی شاعری میں انسان کا تصور	قومی زبان	"	اپریل "	ص ۲۵ تا ۲۸
نظیر صوفی، ڈاکٹر	علامہ اقبال کی صحیح تاریخ ولادت	چٹان	لاہور	۲۲ اپریل "	ص ۱۵
یعقوب حسن، سید	علامہ اقبال اور خواتین	مشرق	کراچی	" "	ص ۷
یونس حسنی	اقبال کا حرفِ شیریں	قومی زبان	"	اپریل "	ص ۴۱ تا ۴۴

انیس، میر

احسن فاروقی، ڈاکٹر	میر انیس اور جدید اردو ادب	اردو	کراچی	نمبر ۳ و ۴ ۱۹۷۳ء	ص ۱۷۷ تا ۱۹۶
افسر امروہوی	فیضان انیس	"	"	" "	ص ۲۳۹ تا ۲۴۸
انور سدید	میر انیس کی غزل	"	"	" "	ص ۲۲۵ تا ۲۳۸
سلیم احمد	چراغ لے کے کہاں ... (میر انیس)	"	"	" "	ص ۲۱۵ تا ۲۲۴
ضمیر اختر نقوی	شجرہ میر انیس	"	"	" "	ص ۳۲۹
فرمان فتح پوری، ڈاکٹر	میر انیس تذکروں کی روشنی میں	"	"	" "	ص ۱۹۷ تا ۲۱۴
مخمور اکبر آبادی	محاسن کلام انیس	"			ص ۵ تا ۱۴۸
ہاشم رضا، سید	محسن اردو (انیس)	"	"	" "	ص ۱۴۹ تا ۱۷۶

علمی و ادبی شخصیات

ابو الفضل صدیقی	خالی کرسی (مولف صلاح الدین)	اردو	کراچی	نمبر ۱، ۲ ۱۹۷۳ء	ص ۵۴ تا ۱۰۱
ابو سلمان شاہجہانپوری	مولانا آزاد بحیثیت طبیب	قومی صحت	لاہور	اپریل ۱۹۷۴ء	ص ۲ تا ۵

اختر راہی	ملا صدر الدین شیرازی	محدث	لاہور	محرم وصفر	۱۳۹۴ھ	ص ۳۷ تا ۳۹
ارشد حافظ سید رشید احمد	دہلی کا علمی خانوادہ۔ شاہ عبدالرحیم و شاہ جمیل الرحمان	العلم	کراچی	جنوری	۱۹۷۴ء	ص ۴۷ تا ۵۱
اشتیاق طالب، پروفیسر	والٹر اسکاٹ	الشجاع	"	مارچ اپریل	"	ص ۷ تا ۱۲
انور سدید	ممتاز شیریں	"	"	"	"	ص ۱۴ تا ۲۰
سعید احمد	پروفیسر حمید احمد خاں	قومی زبان	"	اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۶۲ تا ۶۳
سید عالم	رضی الدین کیفی۔ داغ کا ایک شاگرد	العلم	"	جنوری	"	ص ۵۹ تا ۶۲
صدر الحق، ڈاکٹر	عبدالغفور خاں فارغ	اردو	"	نمبر ۱، ۲	۱۹۷۳ء	ص ۱۰۲ تا ۱۵۶
ماہر القادری	یاد رفتگان، افتخار احمد بلخی، ابر احسنی گنوری	فاران	"	اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۳۲ تا ۳۹
	اے ڈی اظہر۔ سلام مچھلی شہری					
محمد کاظم	سولژے نتسن اور اس کی مختصر کہانیاں	فنون	لاہور	جنوری فروری	۱۹۷۴ء	ص ۱۴ تا ۲۶
محمود اکبر آبادی	حضرت میکش اکبر آبادی	العلم	کراچی	جنوری	"	ص ۹ تا ۲۵
مظفر عالم شاہ	ثعلب نحوی	اردو نامہ	کراچی	اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۳۰ تا ۳۴
ممتاز حسن، ڈاکٹر	حمید احمد خاں	اردو نامہ	"	"	"	ص ۷ تا ۸
نجم الحسن موہانی، ڈاکٹر	حسرت موہانی کا آخری کلام	"	"	"	"	ص ۸۱ تا ۸۷
نظیر صدیقی	عندلیب شادانی کی بدیہہ گوئی	اردو	"	نمبر ۱، ۲	۱۹۷۳ء	ص ۵ تا ۵۲
وفا راشدی	قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی	چٹان	لاہور	یکم اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۲۹

سیاسی شخصیات

ابو سلمان شاہجہانپوری	محمد امین خاں کھوسو	الولی	حیدرآباد	مارچ	۱۹۷۴ء	ص ۴۲ تا ۵۰
	خان محمد امین خاں کھوسو	سرحد	کراچی	اپریل	"	ص ۳۶ تا ۴۲
ایوب قادری، محمد	مولوی حکیم نجم الغنی رام پوری	"	"	"	"	ص ۱۲ تا ۱۸
خلیل قدسی	حکیم حافظ عبدالمجید نابینا	المنبر	لائل پور	۱۲ اپریل	"	ص ۱۴ تا ۱۵
راشدی، پیر علی محمد	پیر علی انور راشدی مرحوم	جنگ	کراچی	۲۳ ر ر		ص ۲
شاہد الراشدی	مولانا سید شمس الدین کی شہادت	چٹان	لاہور	یکم اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۱۱ تا ۱۲
شورش کاشمیری	آہ! غلام محمد لوند خوڑ	چٹان	"	۲۲ ر	"	ص ۱۱
صلاح الدین غازی	اقبال مہدی	سب رنگ ڈائجسٹ	کراچی	اپریل	"	ص ۸۶ تا ۸۸
نصر اللہ خاں	مولانا عبدالسلام نیازی	حریت	"	۱۸ اپریل	"	ص ۶

مذہبی شخصیات

اسحاق بھٹی، محمد	قدیم دور کے چند ہندی فقہائے کرام	المعارف	لاہور	اپریل ۱۹۷۴ء	ص ۴۹ تا ۵۳
درشن خاں، خان	شیخ ملی کا مزار	سرحد	کراچی	" "	ص ۱۹ تا ۲۵
ضیا تسنیم بلگرامی	منصور حلاج — انا الحق	سب رنگ ڈائجسٹ	"	" "	ص ۶۱ تا ۶۵
عباد اللہ فاروقی	حضرت مخدوم صابر کلیری	الولی	حیدرآباد	مارچ "	ص ۵۱ تا ۶۱
عبد الشہید نعمانی، محمد	امام ابوحنیفہ کی تابعیت	"	"	" "	ص ۶۲ تا ۶۴
محمد جعفر پھلواری، مولانا	حافظ ابن عبد اللہ	المعارف	لاہور	اپریل "	ص ۳۵ تا ۴۰

طب و صحت

امین الدین	انجکشن کی تیاری	قومی صحت	لاہور	اپریل ۱۹۷۴ء	ص ۲۲ تا ۲۳
خدا بخش	کچھ ہندی کے بارے میں	"	"	" "	ص ۶ تا ۷

مذہبیات

قرآن و تفسیر

اصلاحی، مولانا امین احسن	تفسیر سورہ کہف (۱۳)	میثاق	لاہور	اپریل ۱۹۷۴ء	ص ۹ تا ۲۴
حنیف ندوی، مولانا محمد	قرآن کا تصورِ وحی و تنزیل	المعارف	"	" "	ص ۲۹ تا ۳۴
عزیز زبیدی، مولانا	التفسیر والتعبیر (۶)	محدث	"	محرم و صفر ۱۳۹۴ھ	ص ۷ تا ۱۶

سیرت نبویؐ

آزاد، محمد اسماعیل	سیرت النبی کے معاشی پہلو	مساوات	کراچی	۷ اپریل ۱۹۷۴ء	ص ۲
آصف قاسمی	حضور اکرم کا سیاسی تدبر	صداقت	"	" "	ص ۸
احسن، حفیظ الرحمٰن	مطالعہ سیرت نبویؐ کی ضرورت و اہمیت	محدث	لاہور	نمبر ۳، ۴ ۱۳۹۴ھ	ص ۴۳ تا ۴۷
اسرار احمد سہاروی	ہستی بے مثال	"	"	" "	ص ۳ تا ۶
اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر	رسول اللہ بحیثیت تاریخ ساز	حریت	کراچی	۷ اپریل ۱۹۷۴ء	ص ۱

اقبال، علامہ	میلادالنبیؐ	قومی زبان	کراچی	اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۳ تا ۵
امتیاز احمد	رسول اکرمؐ سے پہلے عربوں کی حالت	صداقت	"	۷ اپریل	"	ص ۸
پرویز	دفعنالک ذکرک	طلوع اسلام	لاہور	اپریل	"	ص ۹ تا ۳۶
ثریا بتول	رسول اکرمؐ بحیثیت تاجر	محدث	لاہور	نمبر ۳، ۴	۱۳۹۴ھ	ص ۳۱ تا ۴۲
حسن مثنیٰ ندوی	حضورؐ نے ہمیں جنگ کا فن سکھایا	صداقت	کراچی	۷ اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۶
حمید احمد خاں	رسالت مآبؐ اور حقوق انسانی	مشرق	"	"	"	ص ۲
خطیب، محمد عجاج	سنت رسولؐ - لغوی و شرعی تحقیق	المنبر	لائل پور	۵ ر"	"	ص ۱۶ تا ۱۷
"	سنت رسولؐ لغوی و شرعی تحقیق (۲)	"	"	۱۲ ر"	"	ص ۱۹ تا ۲۱
ذکی حسین	سرور کائناتؐ	مساوات	کراچی	۷ ر"	"	ص ۲
رفیق جذبی	حضرت محمد صلعم اور معجزات	محدث	لاہور	نمبر ۳، ۴	۱۳۹۴ھ	ص ۱۵ تا ۱۹
سلیمان ندوی، سید	معراج	صداقت	کراچی	۷ اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۲
شبلی نعمانی، علامہ	مخالفت قریش	"	"	"	"	ص ۲
عبدالرزاق ملیح آبادی	رحلت مصطفیٰؐ اور صدیق اکبرؓ	چٹان	لاہور	۱۵ اپریل	"	ص ۱۵ تا ۱۶
عبدالقادر گیلانی، سید	رسول اللہؐ فضیلت اور نور...	مساوات	کراچی	۷ اپریل		ص ۷
عبدالملک ابن ہشام، محمد	رسول اکرمؐ کی ولادت و رضاعت	صداقت	"	"		ص ۲
قمر احمد عثمانی	ہجرت نبویؐ	"	"	"	"	ص ۲
متین ہاشمی، مولانا سید محمد	مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	الجامعہ	محمدی شریف	اپریل	۱۹۷۴ء	۹ تا ۱۵
محمد اسماعیل، سید	رسول اکرمؐ کا عہد طفولیت	صداقت	کراچی	۷ اپریل	"	ص ۲
محمد شفیع، مولانا مفتی	پیغمبر امن و سلامتی	"	"	"	"	ص ۵
مسلم، ڈاکٹر محمد نذیر	محسن عالمؐ کا عظیم کارنامہ	المنبر	لائل پور	۵ ر"	"	ص ۹ تا ۱۱
مناظر احسن گیلانی، مولانا	مدنی زندگی کی ایک جھلک	صداقت	کراچی	۷ ر"	"	ص ۷
میر علی جعفری، سید	مسلمان ہونے کی شرط اول	مساوات	"	"	"	ص ۲
مہر، مولانا غلام رسول	حیات مبارکہ میں حجۃ الوداع کی اہمیت	"	"	"	"	ص ۷
نسیم ہاشمی، سید	ولادت نبوی کی الہامی بشارتیں	مشرق	"	۷ ر"	"	ص ۲
نظر زیدی	حب رسولؐ کے تقاضے	محدث	لاہور	نمبر ۳، ۴	۱۳۹۴ھ	ص ۷ تا ۱۰
نیازی، حمید اللہ خاں	انسانی تاریخ کا حیرت انگیز معجزہ	"	"	"	"	ص ۱۱ تا ۱۴
واحدی، ملا	سرکار دو عالمؐ کی علالت اور وفات	صداقت	کراچی	۷ اپریل	۱۹۷۴ء	ص ۱۴

وارثی، عنایت اللہ	رسول مقبولؐ ایک مقنن کی حیثیت سے	محدث	لاہور	نمبر ۳، ۴	۱۳۹۲ھ	ص ۲۱ تا ۲۹
ولی اللہ دہلوی، شاہ	آنحضرت کی ازواج مطہراتؓ	صداقت	کراچی	۷ اپریل	۱۹۷۲ء	ص ۷
ہیکل، محمد حسین	فتح مکہ	"	"	"	"	ص ۷
یعقوب حسن، سید	حضورؐ کی تشریف آوری	مشرق	"	۷ اپریل	"	ص ۷

مسائل و مباحث دینی

ارشاد الحق، مولانا	احسن الکلام پر ایک نظر	ترجمان الحدیث	لاہور	اپریل	۱۹۷۲ء	ص ۱۵ تا ۲۲
سبطین لکھنوی، ڈاکٹر	حیات عیسیٰؑ کا عقیدہ کیوں	المنبر	لائل پور	۵ اپریل	"	ص ۱۸ تا ۲۰
	" " (۲)	"		۱۲ اپریل	"	ص ۱۷ تا ۱۹
طاسین، مولانا محمد	مشینوں پر زکوٰۃ کا مسئلہ	الولی	حیدرآباد	مارچ	"	ص ۱۷ تا ۲۴
متین ہاشمی، مولانا سید	اسلام کا تصور قومیت	الجامعہ	محمدی شریف	اپریل	"	ص ۱۷ تا ۲۵
محمد گوندوی، مولانا حافظ	دوام حدیث، تفسیر بالروایت	ترجمان الحدیث	لاہور	"	"	ص ۸ تا ۱۲
مودودی، مولانا	دعوت اسلامی کی حقیقی نوعیت	ترجمان القرآن	"	"	"	ص ۹ تا ۲۴
ناظر، اشفاق حسین	اسلام اور عصر حاضر	ترجمان الحدیث	"	"	"	ص ۳۳ تا ۴۵
یوسف قرضاوی	ایمان ایک عظیم قوت	ترجمان القرآن	"	"	"	ص ۲۵ تا ۳۱
عبدالحمید صدیقی (مترجم)						

صدائے بازگشت

طشت از بام زمانے میں ہے نام اردو — آج اونچا ہے ثریا سے مقام اردو
اہلِ دل اہلِ ادب اہلِ نظر جانتے ہیں — چشمۂ فیض ہیں آداب و سلام اردو
خدمتِ شعر و ادب نے شرف بخشا ہے — نام لاکھوں کے درخشاں ہیں بنام اردو
کوئی طاقت نہ کبھی روک سکے گی اس کو — برق رفتار ہے سیلاب پیام اردو
درحقیقت ہیں یہی سیم و زر و لعل و گہر — کوئی پرکھے تو کسوٹی پہ کلام اردو
تا قیامت یونہی سرشار رہے گی دنیا — کیا کمی مے کی سلامت رہے جام اردو
آج اخلاق و محبت کی فضا چھا جائے — آج ہو جائے جو ترویج نظام اردو
اہلِ اردو کو بڑا ناز ہے عبدالحق پر — کر چکے ہیں انھیں تسلیم امام اردو

زندگی وقف کروں کیوں نہ میں اردو کے لیے
میں بھی ادنیٰ سا ہوں منظور غلام اردو

Regd. S. No. 1138 Phone : 232784
Monthly **QAOMI ZABAN** Karachi

اسٹوڈینٹس اسٹنڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری

(دسویں اشاعت)

یہ بڑی لغت کا اختصار ہے لیکن باوجود اختصار کے بہمہ وجوہ مکمل اور جامع ہے۔ بڑی کتاب میں سے صرف وہ الفاظ جو قدیم اور متروک ہیں اور ادب میں مستعمل نہیں یا ایسی اصطلاحات جوکسی خاص فن سےمخصوص ہیں اورعام طور پر ادب میں کام نہیں آتیں خارج کردی گئی ہیں۔ بعض الفاظ کے معنی میں جو غیرضروری مترادف تھےوہ بھی نکال دیے گئے ہیں۔ اس سے لغت کی جامعیت اور خوبی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ایک اعتبار سے یہ لغت زیادہ صحیح اور مکمل ہے کیونکہ بڑی کتاب کے بعد تیار ہوئی ہے اور اس میں جو کہیں کہیں خامیاں رہ گئیں تھیں وہ اس میں درست کردی گئیں اور بعض الفاظ کے خاص معنی جو بعد میں معلوم ہوئے وہ اضافہ کر دیے گئے ہیں۔

بائبل پیپر پر مجلد — قیمت ۴۵ روپے

انجمن ترقی اردو پاکستان — بابائے اردو روڈ، کراچی۔۱

مدیر:- شبیرعلی کاظمی- کلیم الحسن نقوی کے زیر اہتمام انجمن پریس کراچی میں چھپ کر انجمن ترقی اردو (پاکستان) - بابائے اردو روڈ - کراچی سے شائع ہوا۔